آنسہ نورالعین صدیقی



بہو کی تلاش

بہو کی تلاش اور دوسرے ڈرامے

(آنسہ) نورالعین صدیقی

BAHOO KI TALASH AUR DOOSRE DRAME

(A COLLECTION OF URDU DRAMAS)

By: AANSA NOORULAIN SIDDIQI

PRICE 12.00

بہو کی تلاش

اور دوسرے ڈرامے

آنسہ نورالعین صدیقی

کتاب کار پبلیکیشنز
رام پور

قیمت : بارہ رُوپے

مطبع : دہلی پرنٹنگ پریس ۔ رام پُور

بااختیار تقسیم کار :

موڈرن پبلشنگ ہاؤس

۹ گولا مارکیٹ ۔ دریا گنج

نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

نذرِ عقیدت

عالی جناب سعد اللہ خاں صاحب
ریٹائرڈ سکریٹری ودربھ بورڈ
آف سکنڈری ایجوکیشن ناگپور
کی خدمت میں

ترتیب

پیش لفظ

یہ چند ڈرامے اسکولوں اور کالجوں کے اسٹیج پر پیش کرنے کے لیے لکھے گئے ہیں۔ اس لیے ان تمام مشکلات کا خیال رکھا گیا ہے جو اس طرح کے شوقیہ ڈرامہ کرنے والوں کو پیش آتی ہیں۔ اُن کے پاس نہ تو ساز و سامان ہوتا ہے اور نہ اسٹیج سیٹنگ کو بار بار بدلنے کے وسائل ہوتے ہیں۔ اِس لیے ان تمام ڈراموں میں کسی خاص اسٹیج سیٹنگ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ معمولی اسٹیج پر سادے پردے لگاکر آسانی سے فراہم ہو جانے والا سامان ترتیب دیا جا سکتا ہے۔

اسکولوں اور کالجوں کے اسٹیج پر منظر تبدیل کرنے کی نئی نئی

ٹیکنیک استعمال کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے مناظر کی تبدیلی کی عموماً یہ صورت اختیار کی جاتی ہے کہ ہر منظر بدلنے کے وقت پردہ گرا دیا جاتا ہے۔ پسِ پردہ دوسرے منظر کی تیاری کی جاتی ہے اور پھر پردہ اٹھایا جاتا ہے۔ اس طرح کرنے میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ تماشا دیکھنے والے دوسرے منظر کا انتظار کرتے کرتے اکتا جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بیس یا تیس منٹ کے یک بابی ڈرامے میں دو تین بار منظر بدلا جائے اور ہر بار پردہ گرایا جائے تو ڈرامے کا تسلسل بھی برقرار نہیں رہتا۔

اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان تمام ڈراموں میں شروع سے آخر تک ایک ہی منظر رکھا گیا ہے۔ جہاں کہیں منظر بدلنا ضروری ہو گیا ہے یا بیان واقعہ میں کچھ وقفہ دکھلانا مقصود ہے وہاں اسٹیج پر تھوڑی دیر کو روشنی مدھم کر کے یا بالکل اندھیرا کر کے اس اثر کو قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یا پھر پرانے سنسکرت ڈرامے کی طرح کرداروں کی زبان سے اس طرح کا مکالمہ ادا کروایا گیا ہے جس سے اس تبدیلی کا اندازہ ہو جائے۔

ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں مخلوط تعلیم عام ہو گئی ہے۔ اور اکثر جگہ ڈراموں میں لڑکے اور لڑکیاں مل کر کام کرنے لگے

ہیں۔ لیکن لڑکوں کے ایسے اسکول یا کالج جہاں لڑکیاں نہیں پڑھتیں، اگر اس قسم کا ڈرامہ کریں تو انہیں یہ دقّت پیش آتی ہے کہ زنانہ کردار کس سے ادا کروائیں۔ لڑکی کا رول کرنے کو لڑکے آسانی سے تیار نہیں ہوتے۔ برخلاف اس کے لڑکیوں کے اسکول یا کالج میں یہ دقّت نہیں ہوتی۔ لڑکیاں لڑکوں اور مردوں کا رول کرتے ہیں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتیں۔ پھر بھی لڑکیوں کے لیے مردوں کا کردار ادا کرنا غیر فطری ہی لگتا ہے۔ اس لیے اس مجموعے میں ایک ڈرامہ ایسا ہے جس میں صرف لڑکیاں کام کر رہی ہیں اور دوسرا صرف لڑکوں کے لیے ہے۔

ہر ڈرامے کے ساتھ اسٹیج سیٹنگ کے لیے ضروری باتیں لکھ دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ مقامی ضرورتوں کی وجہ سے کچھ تبدیلیاں ڈائرکٹر خود کر سکتا ہے۔

ان ڈراموں میں پہلے تین طبع زاد ہیں، "بھوک ہڑتال" کا مرکزی خیال ہندی کے ایک ڈرامے سے لیا گیا ہے اور "ہلدی گھاٹ کے بعد" ایک بہت پرانی کہانی سے ماخوذ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تاریخی حیثیت سے یہ کہانی درست نہ ہو مگر اس میں جو ڈرامائی عنصر ہے اور دوستی اور محبت کا جو پیغام یہ کہانی دیتی ہے اس نے مجھے متاثر کیا چنانچہ

اس ڈرامے میں اسی تاثر کا اظہار ہے۔

مجھے امید ہے کہ میری یہ ناچیز پیش کش اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ اور مدرسین میں مقبول ہوگی۔

ایں نامہ کہ کرد خامہ بنیاد
توقیع قبول روز بیش باد

(انسہ) نورالعین صدیقی
لیکچرر گورنمنٹ گرلس ملٹی پرپز ہائر سکنڈری اسکول

امراوتی کیمپ
۲ر اکتوبر ۱۹۶۵ء

کشمیر کی سیر

کردار

سلیم
ستیش
منصور
مدن
حمید
کمل

} ساتویں کلاس میں پڑھنے والے بارہ اور تیرہ برس کی عمروں کے لڑکے۔

ستیش : کمل کا چچا زاد بھائی۔ کالج اسٹوڈنٹ

کمل کے پتاجی۔

وارڈن صاحب۔

[ہوسٹل کا ایک کمرہ ۔ سلیم اور سریش بیٹھے پڑھ رہے ہیں ۔ تھوڑی دیر بعد سلیم جماہی لیتا ہے ۔ کچھ دیر بعد انگڑائی لے کر کتاب پٹخ دیتا ہے ۔]

سلیم : (سریش سے) کیوں بھائی سریش کیا بجا ہوگا ۔

سریش : تم خود دیکھ لو ، مجھے پڑھنے دو ۔ ڈسٹرب مت کرو ۔

سلیم : ابے جا بھی ۔ پڑھویّا کے بچے ! جیسے آج ہی تو وِدّوان بن جائے گا ۔ ذرا اٹھ کر گھڑی دیکھ لے ۔ تیرے پاس ہی تو رکھی ہے ۔

سریش : (غصّہ سے چلّا کر) مت دماغ چاٹو ۔ نہ خود پڑھتے ہو ، نہ کسی کو پڑھنے دیتے ہو ۔ اگر ایسے ہی تمہارا دل بک بک کرنے کو چاہتا ہے ،

تو باہر جا کر چلاؤ۔ مجھے تم سے بات کرنے کی فرصت نہیں۔

سلیم : ذرا زبان سنبھال کر بات کرو جی۔ کمرہ تم نے خرید نہیں لیا۔ میرا بھی کمرہ ہے یہ ــــ میرا دل جو چاہے گا، کروں گا۔

(دونوں کے زور زور سے باتیں کرنے کی آواز سن کر منصور، مدن اور حمید آتے ہیں)

مدن : کیا ہوا بھئی۔ کیسا شور ہے یہ ــــ دنگا کہاں ہونے لگا؟

سلیم : ارے ہوتا کیا بھئی ــ یہ کتاب کے کیڑے جو ہیں، ان سے ذرا سی بات کی تھی کہ کھانے کو دوڑنے لگے۔

سریش : میں نے کہا نا تم سے ــــ کہ مجھ سے بات . . . .

سلیم : (طنز سے ہنس کر) دیکھیے صاحبان۔ ہندوستان کے سب سے بڑے وِدّوان پنڈت کو کسی سے بات کرنے کی فرصت نہیں ہے۔

(سب مل کر زور سے ہنستے ہیں۔)

سریش : (چیخ کر) نکل جاؤ تم سب میرے کمرے سے۔

(سب اور زور سے ہنستے ہیں۔ سریش غصے سے کتاب پٹخ کر باہر چلا جاتا ہے۔ مدن سریش کے پلنگ پر، حمید کرسی کے ہتھے پر اور منصور میز پر پیر لٹکا کر بیٹھ جاتا ہے)

مدن : اب بتاؤ یار۔ اس جھکّی سے کیوں جھگڑا ہو گیا۔

سلیم : کچھ نہیں بھئی ۔ میں بڑی دیر سے پڑھ رہا تھا۔ سوچا کچھ آرام کروں
لیکن پہلے یہ دیکھنا بھی تو ضروری تھا کہ کیا بجا ہے — چنانچہ میں نے
سریش سے اتنا ہی کہا کہ ذرا دیکھو تو کیا بجا ہے۔ بس بگڑ بیٹھا کہ
بات مت کرو — یہ مت کرو — وہ مت کرو — پڑھنے دو۔

حمید : ہاں ہے تو بہت پڑھنتو — بڑا گھوٹتا ہے، ایک ایک سبجکٹ کو
مگر عقل تو اللہ کے فضل سے زِیرُو ہی ہے ۔

منصور : عقل بھلے ہی زیرو ہو۔ پر اس کی محنت اس کمی کو پورا کر دیتی ہے

SLOW AND STEADY WINS THE RACE

سلیم : (طنز سے) تو جاؤ تم بھی اس کے ساتھ ریس جیتنے کی کوشش کرو۔

منصور : (میز سے کود کر) ہاں ہاں ضرور جائیں گے۔ پرسوں سے امتحان ہے
آخر ہمیں بھی تو تیاری کرنی ہے۔ اگر فیل ہو گئے تو ایک سال بیکار
ہوگا۔ وہ الگ اور گھر جائیں گے تو اباجی پٹائی کریں گے وہ الگ۔

سلیم : (کچھ نرم پڑ کر دھیمے لہجے میں) ہاں یار بات تو ٹھیک ہے۔ پاس تو مجھے
بھی ہونا ہے کیونکہ اباجی نے وعدہ کیا ہے کہ اگر اس سال پاس ہو گیا
تو گرمی کی چھٹی میں کشمیر کی سیر کا پروگرام رہے گا۔

مدن : تو بس اچھے بچوں کی طرح بیٹھ کر پڑھو — ہم بھی اپنے کمرے میں چلیں۔
وارڈن صاحب کو اگر خبر ہو گئی کہ ہم سب اسٹیڈی چھوڑ کر تمہارے

کمرے میں گپ مار رہے ہیں تو سب کی موت ہو جائے گی۔

سلیم : نہیں یار ــــ موت اتنی آسانی سے نہیں آسکتی ــــ مجھے معلوم ہے کہ آج وارڈن صاحب اپنے بیوی بچوں کو فلم "طوفانی ٹارزن" دکھانے لے گئے ہیں۔ ساڑھے دس بجے سے پہلے نہیں آسکتے ــــ اور تو ہوسٹل میں کسی کی ہمت نہیں کہ ہمیں ٹوک سکے۔

حمید : تو آخر یہاں بیٹھ کر بھی ہم کیا کریں گے!

سلیم : اوہو بھئی۔ اس قدر جلدی کیوں کر رہے ہو ــــ بیٹھو تو ذرا بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں۔ بیٹھو مدن! منصور آؤ نا بھئی اس طرف آجاؤ۔ (بستر کی شکنیں درست کر کے بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہے) ہاں تو بات یہ ہے کہ "طوفانی ٹارزن" لگے ہوئے تقریباً ایک مہینہ ہو گیا۔ وارڈن صاحب اتنے بڑے ہو کر اسے دیکھنے گئے ہیں۔ ہم بچے جن کے دیکھنے دکھانے کے دن ہیں۔ یہاں اس ہوسٹل کی چہار دیواری میں پڑے سڑ رہے ہیں۔ کیوں نہ ہم بھی کسی طرح "طوفانی ٹارزن" دیکھنے پہنچ جائیں۔

حمید : اوہو بھئی۔ میں نے کہا نا کہ امتحان سے پہلے تو میں اس قسم کی کوئی بات سوچ ہی نہیں سکتا۔

سلیم : اچھا جانے دو اسے۔ میں ابھی تمہارے کمرے میں ایک مشورہ کرنے

آنے والا تھا۔

حمید: کیسا مشورہ ہے؟

سلیم: بھئی کوئی ترکیب بتاؤ کہ اب کے کشمیر کی سیر کو بھجوانے کا جو وعدہ ابا جی نے کیا ہے وہ پورا ہو جائے۔

مدن: ترکیب تو خود تم نے بتائی ہے۔ پاس ہو جاؤ۔ سیر کو چلے جانا۔

سلیم: واہ بھئی شیخ چلی۔ کیا آسان ترکیب ہے۔ گویا پاس ہونا حلوائی کی دوکان کی مٹھائی ہے، کہ اٹھائی اور منہ میں رکھ لی۔

مدن: (برا مان کر اٹھتے ہوئے) تم تو ہمیشہ جھگڑے کی باتیں کرتے ہو۔ میں نے تو سیدھی سی بات کہی تھی۔

سلیم: (دوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے) خفا مت ہو یار!۔ ذرا کوئی ترکیب بتاؤ؟ تمہیں تو معلوم ہے کہ میری پڑھائی بالکل نہیں ہو سکی۔

حمید: تو کیا تم چاہتے ہو کہ پڑھائی بھی نہ کرو۔ اور پاس بھی ہو جاؤ۔

سلیم: نہیں بھئی پاس ہونے کا مجھے اتنا شوق نہیں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کسی طرح بس اس بار کشمیر جانے کا پروگرام کامیاب ہو جائے۔ مگر مشکل یہ ہے، کہ پاس ہوئے بنا یہ ہو نہیں سکتا۔ اور پاس ہونا پڑھائی پر منحصر ہے۔ اور پڑھائی تو ہم سے ہوتی نہیں۔ صاف

صاف سن لو بھیا — !

منصور: تو گویا تم یہ چاہتے ہو کہ کسی طرح امتحان سے چھٹی مل جائے۔ اور کشمیر جانے کو بھی مل جائے۔

سلیم: (خوشی سے اچھل کر) جیو پیارے! — کیا بات کہہ دی میرے یار نے۔ بس میرے دل کی بات اپنی زبان سے ادا کر دی۔ بس۔ بس — بالکل یہی چاہتا ہوں میں۔

حمید: مگر بھئی تم نے تو کہا تھا کہ تمہارے ابا بہت STRICT ہیں۔ کئی سال ہیڈ ماسٹر رہ چکے ہیں۔ اس لیے انھیں بھی سب ماسٹروں اور ہیڈ ماسٹروں کی طرح سوائے پڑھائی اور امتحان کے دنیا میں اور کچھ پسند نہیں ہے — وہ بھلا کیسے راضی ہوں گے — ؟

سلیم: یہی پرابلم حل کرنے تو میں نے تمہیں بلایا ہے۔

حمید: اپنی تو عقل کام نہیں کرتی یار۔

(دروازہ سے آواز آتی ہے: "عقل تمہارے پاس تھی ہی کب جو کام کرنے آئے گی"۔ سب مڑ کر دیکھتے ہیں۔ دروازے میں کمل کھڑا ہے)

سب: آؤ آؤ کمل اندر آؤ — وہاں کیوں کھڑے ہو۔ ادھر بیٹھو نا۔

کمل: (ہنستا ہوا آکر پلنگ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتا ہے۔ تکیہ اٹھا کر

گھٹنوں پر رکھ لیتا ہے۔ اور بڑے اطمینان سے ہتھیلیوں پر ٹھوڑی
ٹکا کر پوچھتا ہے)
ہاں تو بھئی کس کی عقل ہے جو کام نہیں کرتی ؟۔

مدن : حمید کی۔

کمل : (حمید کی طرف دیکھ کر) خیر ان کی تو بات ہی الگ ہے۔ جب بھگوان کے گھر عقل بٹ رہی تھی تو یہ سر سے جیومٹری کے تھیورم پوچھنے چلے گئے تھے۔ واپس آئے تو دیکھا سب اسٹاک ختم ہو چکا ہے۔ اس لیے بچارے ایسے ہی رہ گئے — ہاں تو مدن تم بتاؤ کیا بات ہے — ؟

سلیم : مدن کیا بتائے گا جی۔ میں خود بتاتا ہوں۔ میرے ابّا جی نے وعدہ کیا ہے۔
کہ وہ اس سال گرمیوں میں مجھے کشمیر بھیجیں گے۔

کمل : (زور سے چلّا کر) واہ کتنے اچھے ابّا جی ہیں تمہارے — ! کاش وہ
تمہارے ابّا جی نہیں میرے پتا جی ہوتے۔

سلیم : ارے پوری بات تو سن لو۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر میں امتحان میں پاس
ہو گیا تب بھیجیں گے۔

کمل : ہات تیری کی — اچھا ہوا کہ وہ تمہارے ابا جی ہیں۔ میرے پتا جی نہیں۔
(سب زور سے ہنستے ہیں)

سلیم : مذاق مت کرو یار — میں بہت سیریس ہوں — کوئی تدبیر

بتاؤ کہ میں کشمیر جا سکوں۔

حمیدہ: تدبیر بچارے مدن نے بتائی تھی، تو تم اُسے شیخ چلی کہنے لگے۔

کمل: کیا تدبیر تھی ہم بھی تو سنیں۔

سلیم: مدن کہنے لگا کہ پڑھائی کرو اور پاس ہو جاؤ پھر کشمیر چلے جانا۔

کمل: ہاں بھئی ٹھیک تو کہا اس نے!

سلیم: ارے میاں پڑھائی کرنی ہوتی تو ہم گھر پر ہی نہ رہتے۔ بھلا یہاں ہوسٹل میں آنے کی کیا ضرورت تھی — گھر پر تو ہر وقت کوئی نہ کوئی سوار رہتا ہے — کہ چلو اٹھو پڑھنے بیٹھو — ذرا کوئی جاسوسی ناول پڑھنے کو اٹھایا کہ بھائی صاحب غرّائیں گے (گردن ہلا کر نقل اتارتا ہے) "اچھا تو یہ ٹھاٹ ہیں۔ اب کے بھی پاس ہونے کا ارادہ نہیں ہے شاید" — ذرا کھیلنے گئے کہ اباجی نے ڈانٹ پلائی۔ (سیدھا کھڑا ہو کر موٹی آواز نکالتا ہے) "جا کر پڑھائی کرو" — ان سب مصیبتوں سے بچنے کو تو ہوسٹل میں آئے ہیں۔ وارڈن صاحب بچارے اسٹڈی ٹائم میں آ کر ایک چکر لگا کر چلے جاتے ہیں۔ ہم مزے سے جاسوسی ناول فلمی گانوں کی کتابیں اور رسالہ شمع پڑھا کرتے ہیں — بس یار کمل تم تو مجھے کوئی ایسی ترکیب بتاؤ کہ میں اس بار پڑھائی اور امتحان

سب کے چکّر سے نکل کر سیدھا کشمیر پہنچ جاؤں۔

کمل: (بہت بزرگانہ انداز اور بناوٹی موٹی آواز میں) اچھا بچّہ! ٹھہر جا۔ — گرو تیرا کلیان کرے — ہمیں وچار کرنے دے۔

(کچھ دیر سوچتا ہے — سر کھجاتا ہے۔ پھر تکیہ اٹھا کر زور سے دیوار پر دے مارتا ہے)

جے بجرنگ بلی — لو بھائی تمہارا بیڑا پار ہوگیا۔

سلیم: (بڑے اشتیاق سے) کیسے — کیسے؟

کمل: ارے بھئی! امتحان سے بچنے کی ایک بڑی اچھی ترکیب یہ ہے کہ بیمار پڑ جاؤ۔

سلیم: (سارا اشتیاق ختم ہو جاتا ہے۔ افسردگی سے کمل کے پاس بیٹھ جاتا ہے) نہیں یار یہ تو کچھ جچی نہیں اور کوئی ترکیب سوچو۔

کمل: گدھے ہو تم بنے بنائے — ارے اس سے اچھی ترکیب آکاش سے اترے یا پاتال سے نکلے کسی انسان کے دماغ سے تو نکل نہیں سکتی۔

سلیم: آخر اس میں اچھائی کیا ہے —؟ اگر بیماری کا ڈھونگ رچایا بھی تو وارڈن صاحب جھٹ ڈاکٹر کو بلالیں گے۔ اور وہ آکر بھانڈا پھوڑ دے گا۔

کمل: ارے — یہ تو گڑبڑ کی بات ہے — ٹھیرو، یوں نہیں ذرا مجھے سوچنے دو۔ (سر کو ہاتھوں میں تھامے کچھ دیر بیٹھا رہتا ہے پھر سر اٹھا کر خوشی سے

چلّاتا ہے)

مل گئی ـــ مل گئی ـ!

مدن : کیا مل گئی ـــ ؟

کمل : ترکیب مل گئی ـــ ہاں تو بھئی سلیم ـــ یہ اپنی پہلی ترکیب جو ہے اس میں تھوڑا سا ردّو بدل کریں گے۔ پہلے تم اس کے فائدے تو سن لو ـــ فائدہ نمبر ۱ ـ اگر تم بیمار پڑ گئے تو امتحان سے بچ جاؤ گے، فائدہ نمبر ۲ ـ بیماری کے بعد لازمی طور پر کمزوری بھی ہو جائے گی، ـــ لہٰذا ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق طاقت حاصل کرنے کے لیے تمہارا کشمیر جانا بہت ضروری ہو جائے گا۔ ورنہ تمہاری جان خطرے میں پڑنے کا اندیشہ ہو گا۔

سلیم : مگر ایسا دھرماتما ڈاکٹر ملے گا کہاں سے ـــ جو مجھ اچھے خاصے کو بیمار بھی بتائے۔ اور یہ بھی کہدے کہ طاقت حاصل کرنے کے لیے کشمیر جانا ضروری ہے۔

کمل : اسی لیے تو کہتے ہیں بڑوں کی باتوں میں دخل مت دیا کرو۔ جب تم خود کوئی بات نہیں سمجھ سکتے تو کم سے کم دوسروں کو تو سمجھانے دیا کرو۔

سلیم : اچھا بابا ـــ سمجھاؤ ـــ سمجھاؤ۔

کمل : ستیش بھیّا کو جانتے ہو نا! — وہی میرے بمبئی والے چاچا کے لڑکے جو آج کل ہمارے یہاں آئے ہوئے ہیں۔

سلیم : (بے صبری سے) ہاں ہاں آئے ہیں۔ تو پھر — ؟

کمل : وہ بمبئی کے کالج میں پڑھتے ہیں۔ اور انہیں ایکٹنگ کرنے کا بڑا شوق ہے۔ کہتے ہیں کہ بی، اے کرنے کے بعد فلم کمپنی میں چلے جائیں گے۔

حمید : تو ان کے فلم کمپنی میں جانے اور سلیم کی بیماری میں کیا تعلق ہے۔

کمل : یار تم تو بولا ہی مت کرو — کچھ تو اپنا بھرم رکھو — ہاں بھئی ستیش بھیّا سے جا کر کہوں گا کہ ہمارے اسکول میں ڈرامہ ہو رہا ہے۔ آپ ذرا چل کر ڈاکٹر کا پارٹ ادا کر دیجئے۔ ستیش بھیا خود کو دلیپ کمار اور دیو آنند سے کم نہیں سمجھتے فوراً کوٹ پینٹ پہن، پتاجی کا اسٹیتھ کوپ اٹھا کر چلے آئیں گے۔ ایکٹنگ کرنے۔

حمید : اور وارڈن صاحب کا کیا ہوگا — جب تک انہیں نہ بتائیں گے تو بھلا وہ امتحان سے چھٹی کیسے دلوا سکیں گے۔

مدن : اور وارڈن صاحب اول تو ستیش بھیّا کو آنے نہیں دیں گے ہمیشہ کی طرح ڈاکٹر شرما کو بلا لیں گے۔

کمل : (دونوں ہاتھ اٹھا کر سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتا ہے)۔ ارے بھئی لوگو! کبھی کبھار تو عقل سے کام لیا کرو۔ اس وقت بجے ہیں

رات کے دس ـــ وارڈن صاحب "طوفانی ٹارزن" دیکھ کر لوٹیں گے
ساڑھے دس یا پونے گیارہ بجے تک اس وقت تک سب سو چکے
ہوں گے۔ صرف یہ سلیم بیمار پڑا ہوگا۔ اور تم اس کے دو چار دوست
اس کے ساتھ جاگ رہے ہوگے۔ بس جناب جب وارڈن صاحب
کہیں کہ ارے بھئی کوئی جا کر چوکیدار سے کہو کہ ڈاکٹر شرما کو بلا
دے تو ـــ

مدن : (اس کی بات کاٹ کر) میں دوڑ کر جاؤں گا۔ اور آ کر کہوں گا: "سر!
چوکیدار تو نظر نہیں آتا ـــ شاید سو گیا ـــ میں جا کر ڈاکٹر کو
بلا لاؤں؟"

کمل : (تالی بجا کر) شاباش ـــ بہت اچھی ایکٹنگ کر لیتے ہو تم بھی،
ـــ بس ہمارے ستیش بھیّا کے ساتھ تم بھی فلم کمپنی میں چلے
جانا ـــ ہاں تو تم کو جب وارڈن صاحب ڈاکٹر شرما کو بلانے
کی اجازت دے دیں تو تم دوڑ کے ہمارے گھر چلے جانا اور
ستیش بھیّا کو بلا لانا اور راستے میں انہیں سب باتیں
سمجھا دینا۔

مدن : نہیں بھئی سمجھانا بجھانا تو ہمیں آتا نہیں ـــ ہم تو صرف
انہیں یہاں بلا لائیں گے۔ سمجھانے کا کام تو خود کر لینا۔

کمل : بھلا یہاں اتنا وقت رہے گا کہ میں انہیں یہ سب باتیں بتا سکوں؟
اچھا تم رہنے دو۔ حمید تم چلے جانا۔

حمید : نہیں بھئی یہ کام تو ہم سے بھی نہ ہوگا۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتے
کہ یہ سب باتیں ایک چٹھی پر لکھ کر مدن کو دے دو۔ وہ
ستیش بھیّا کو دیدے گا۔

کمل : اچھا بھئی اچھا!
(چٹھی لکھنے بیٹھ جاتا ہے)

منصور : کمل ایک بات تو تم بھول ہی گئے۔ اگر ستیش بھیا نے وارڈن
صاحب کے سامنے بھانڈا پھوڑ دیا تو ۔۔۔ یا کوئی ایسی بات
کہدی جس سے وارڈن صاحب کو شک ہو گیا تو کیا ہوگا۔؟

کمل : واہ بھئی ۔۔۔ جیون بھر میں ایک بات تم نے عقل کی کہی ہے۔
خیر اب اس کا بھی اُپائے ہے اپنے پاس ۔۔۔ میں ستیش بھیا
کو لکھے دیتا ہوں کہ ہمارا اسکول کیونکہ ملٹی پرپز ہائی اسکول
ہے اس لیے ہمارے ہاں کا ہر کام اور ہر شخص ملٹی پرپز ہونا
ہے۔ وارڈن صاحب دن بھر تو ہوسٹل کے لڑکوں کی
دیکھ بھال کرتے ہیں اور رات کو ڈرامے کا ریہرسل کرتے ہیں۔

منصور : مگر تم خود کیوں نہیں چلے جاتے اپنے گھر۔ جا کر ستیش بھیا

کو بلا لاؤ ۔ سب باتیں زبانی کہہ دینا۔

کمل : ارے ۔ رے ۔ رے ۔ رے ۔ بس ذرا سی دیر کو عقل
کا دورہ پڑا تھا ۔ ختم بھی ہو گیا ۔ پھر وہی بدھوپن کی
باتیں شروع کر دیں ۔ ارے عقل کے دشمن پتاجی نے
مجھے ہوسٹل میں پڑھنے بھیجا ہے یا گیارہ بجے رات کو ستیش
بھیّا کے ساتھ مٹرگشتی کرنے ؟

سلیم : ہاں اور کیا ۔ مدن تو جا کر کسی نہ کسی بہانے سے ستیش
بھیّا کو بلا لائے گا ۔ کہہ دینا کہ کمل کی طبیعت خراب ہو گئی
ہے ۔ اور جب وہ ایک طرف آ جائیں تو یہ کمل کی چھٹی دے دینا۔

کمل : [چھٹی لکھ چکا ہے۔ مدن کو دیتا ہے] لو بھئی مدن ! رکھو سنبھال کر
اب بس وارڈن صاحب آتے ہی ہوں گے۔ ساڑھے دس بجے
والے ہیں، ان کے آنے کی آہٹ سنتے ہی سلیم تم بیمار بن کر
لیٹ جانا ۔ اور خوب چلّانا ۔ ہم سب دوڑ کر وارڈن صاحب
کو بلا لائیں گے ۔

سلیم ، مگر یار ابھی تک طے نہیں کیا کہ مجھے کیا بیماری ہوئی ہے ۔

منصور : کہنا بخار آیا ہے ۔

کمل : (ڈانٹ کر) ارے عقل کے دشمن ۔ خاموش رہ ۔ بھلا وارڈن

صاحب ہاتھ لگاتے ہی خود نہیں سمجھ جائیں گے کہ بخار ہے یا ڈھونگ۔

حمید: کہہ دینا کہ بچھو نے کاٹا ہے۔

سلیم: واہ ـــ! یہ ان سے بھی دو جوتے آگے نکلے ـــ ابے گدھے بچھو کے کاٹے کو کہیں اچھا ہونے کے لیے کشمیر بھیجا جاتا ہے۔

مدن: تو بھئی خود ہی بتاؤ نا ـــ دوسروں کو گالیاں کیوں دیتے ہو، بڑے آئے لاٹ صاحب ـ ایک تو ہم تمہاری مدد کے لیے اتنا بڑا جھوٹ بول رہے ہیں کہ اگر پکڑ لیے گئے تو مارے جائیں گے ـــ اوپر سے تم دھونس جما رہے ہو ـــ

سلیم: (ہاتھ جوڑ کر) معاف کر دو بھائی ـــ غصے میں منہ سے نکل گیا۔ معاف کر دو ـــ اگر میرا کشمیر جانا ہو گیا تو وہاں سے تمہارے لیے ایک اُونی کوٹ لاؤں گا۔

کمل، منصور، اور حمید: (چلّا کر ایک ساتھ) اور میرے لیے ـ ؟ میرے لیے ـــ ؟ میرے لیے ـ ؟

سلیم: سب کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور لاؤں گا۔ ابھی میرے جانے کا انتظام تو کرو۔

کمل: (بستر سے اٹھ کر) بس اب تم لیٹنے کی تیّاری کرو۔ بیماری کونسی ہو، یہ میں سوچتا ہوں ـــ ارے مدن ذرا ہائیجن کی کاپی تو

اٹھانا — دیکھیں کون کون سی بیماریاں ہوتی ہیں اس سنسار میں۔
(مدن کاپی دیتا ہے کمل دو تین ورق الٹ کر پڑھتا ہے۔) ملیریا۔
اوہوں — بالکل نہیں، چیچک — ناممکن — کالرا — ارے بالکل
بھی نہیں (غصہ سے کاپی پھینک دیتا ہے۔ ہاتھ آسمان کی طرف
اٹھا کر جوڑتا ہے) ہے بھگوان تو نے سنسار میں اتنے روگ بنائے ہیں،
کوئی ایسا روگ بھی بنایا ہوتا کہ جس کے کارن امتحان سے چھٹی مل
جاتی۔ اور صرف کشمیر جانے سے ہی اس کا علاج ہو سکتا۔

سلیم: اچھا بھئی — لو تم بھی کیا یاد کرو گے — آپ کا جمہا کاج — اپنی
بیماری میں نے خود ڈھونڈھ نکالی۔

کمل: کیا ہے وہ —؟ (پھر بستر پر بیٹھ جاتا ہے)

سلیم: سر کا درد۔

کمل: بدھو کہیں کے — بھلا سر کا درد بھی کوئی ایسی بڑی بیماری ہے۔
جو امتحان سے چھٹی دلا سکے اور جس سے گھبرا کر وارڈن صاحب
ڈاکٹر کو بلوائیں — صاف کہدیں گے اسپرو کی گولی کھا کر سو جاؤ؟

سلیم: اچھا تو پیٹ کا درد کیسا رہے گا۔

کمال: (کچھ سوچتے ہوئے) خیر چل جائے گا۔ لیکن تمہیں خوب زور
زور سے چلاّنا ہوگا۔ اور خوب ہلاّ گلاّ مچانا ہوگا۔

سلیم : اجی اس کی تم فکر نہ کرو۔ ایسے زور زور سے چلاؤں گا کہ ساری دنیا کو خبر ہو جائے گی۔

(باہر سے کسی کے قدموں کی آواز آتی ہے)

کمل : (کود کر بستر سے اٹھتا ہے) ارے وارڈن صاحب آ گئے۔ لیٹو جلدی لیٹو۔

(سلیم بستر پر لیٹ جاتا ہے۔ کمل اسے لحاف اڑھا دیتا ہے اور مدن، حمید اور منصور سے کہتا ہے)

کمل : جاؤ ــــ اب تم سب اپنے اپنے کمروں میں جا کر پڑھو ہیں جب چلاؤں گا تو سب دوڑ کے آنا اور حمید تم بھاگ کے وارڈن صاحب کو بلا لینا۔

(تینوں لڑکے چلے جاتے ہیں)

سلیم : (بستر پر تڑپتا ہے۔ اور ساتھ ہی چلّاتا جاتا ہے) ہائے۔ ارے مرا۔ ارے درد بڑے زور کا ہے۔ ارے بچاؤ ــــ ہائے کوئی ڈاکٹر کو تو بلاؤ ہائے ــــ ارے۔

کمل : (سلیم کے ادھورے جملوں کے بیچ بیچ میں چلّاتا ہے) ارے کوئی جلدی سے آؤ ــــ وارڈن صاحب کو بلاؤ۔

(مدن۔ حمید۔ منصور اور ان کے ساتھ ہوسٹل کے اور

دو چار لڑکے جمع ہو جاتے ہیں۔ ان میں سریش بھی ہے)

سریش: کیا ہوا بھئی —؟

کمل: بڑے زور کا پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ نہ جانے کیا ہوا — ارے کوئی وارڈن صاحب کو تو بلاؤ —

حمید: میں جا رہا ہوں — (دوڑ کر باہر نکل جاتا ہے۔ سلیم اسی طرح ہائے ہائے کر رہا ہے۔ وارڈن صاحب آتے ہیں)

وارڈن صاحب: ارے یہ سب لڑکے کیوں جمع ہو گئے؟ پرسوں سے تم لوگوں کا امتحان ہے — جاؤ جا کر پڑھنے بیٹھو —

(سب چلے جاتے ہیں۔ صرف مدن کھڑا ہے)

مدن: سر — میں چوکیدار سے ڈاکٹر کو بلانے کو کہوں —

وارڈن: کوئی ضرورت نہیں ڈاکٹر کی۔ معمولی درد ہے۔ صبح تک ٹھیک ہو جائے گا — میرے پاس ایک گولی ہے۔ وہ دیئے دیتا ہوں۔

سلیم: (روتی آوازمیں) ہائے رے بڑے زور کا درد ہے — سر ڈاکٹر کو ضرور بلوایئے — ارے — ہائے۔ ایکبار اور ایسے ہی درد ہوا تھا — ہائے — ڈاکٹر کی دوا کے بغیر اچھا نہیں ہوا تھا۔ — اوہ — ارے —

مدن: سر میں ڈاکٹر کے لیے چوکیدار کو بھجوا دوں —؟

(وارڈن کے منع کرنے سے پہلے ہی باہر بھاگ جاتا ہے۔
سلیم زور زور سے کراہ رہا ہے۔ کمل اس کے سر پر ہاتھ
پھیر رہا ہے)

مدن: (واپس آکر) سر! چوکیدار تو کہیں نظر نہیں آیا۔ میں خود ڈاکٹر
کو بلانے جاتا ہوں۔

وارڈن: نہیں تم کو جانے کی ضرورت نہیں ۔۔۔ میں کسی اور کو بھیج دوں گا۔

مدن: ارے نہیں سر ۔۔ میں بالکل نہیں ڈرتا ۔۔۔ اور پھر سر آپ ہی نے
تو ایک دن کہا تھا کہ سچا دوست وہی ہے جو مصیبت میں دوست کے
کام آئے ۔۔۔ پلیز سر مجھے ہی جانے دیجیے ڈاکٹر کو بلانے۔

وارڈن: اچھا بھئی چلے جاؤ ۔۔۔ مگر دیکھو سائیکل میں لائٹ اور گھنٹی ضرور
لگا لینا ورنہ چالان ہو جائے گا۔

(وارڈن کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی مدن جا چکا ہے)

وارڈن: اچھا بھئی کمل تم اس کے پاس ٹھہرو ۔۔۔ جب تک ڈاکٹر آئے،
میں اپنے پاس کی دوا دیئے دیتا ہوں ۔۔۔ ابھی لے کر آیا (سلیم
کے سر پر ہاتھ رکھ کر) گھبراؤ مت ۔۔۔ ٹھیک ہو جاؤ گے۔

(وارڈن صاحب چلے جاتے ہیں۔ ان کے جاتے ہی سلیم لحاف
پھینک کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ اور کمل کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے ۔۔۔

(دونوں خوش ہوکر ہاتھ ملاتے ہیں)

سلیم : واہ یار مزہ آگیا — اب تک تو سب کام ٹھیک ٹھیک ہو رہا ہے۔ بس خدا کرے باقی بھی ایسے ہی ہو۔

کمل : ہوگا — ہوگا — تم لیٹ جاؤ کہیں کوئی آ نہ جائے۔

(کسی کے آنے کی آہٹ ہوتی ہے)

کمل : ارے کوئی آگیا — جلدی لیٹو —

(سلیم اسی طرح لیٹ کر ہائے ہائے شروع کر دیتا ہے۔ دروازے میں سے مدن اور ستیش داخل ہوتے ہیں۔ ستیش بیس اکّیس سال کا نوجوان ہے۔ سفید کوٹ اور پتلون پہنے عینک لگائے۔ ہاتھ میں ڈاکٹروں کا بیگ اور اسٹیتھسکوپ لیے ہوئے ہے)

ستیش : ہلو کمل! — کہو بھئی یہ رات کو گیارہ بجے کیسا ڈرامہ ہو رہا ہے۔ جس کی ریہرسل کے لیے تم نے مجھے بلایا ہے۔

کمل : (ساری تیزی ہوا ہو گئی ہے۔ بے حد گھبرایا ہوا اور کھسیانا سا ہو رہا ہے) بات یہ ہے بھیّا — کہ پرسوں سے ہمارا امتحان ہے — تو دن بھر تو ہم پڑھتے ہیں، اور رات کو بھی دس ساڑھے دس تک پڑھائی کرنی ہوتی ہے۔ اس کے بعد ڈرامہ کی ریہرسل کرتے ہیں۔

ستیش : ہاں ہاں یہ سب باتیں تو مجھے تمہاری چٹھی سے معلوم ہو گئیں —

(جیب سے چٹھی نکال کر دکھاتا ہے)

کمل : ارے. رے. رے — اسے باہر نہ نکالیے. جیب میں ہی رہنے دیجیے — (ستیش چٹھی جیب میں رکھ لیتا ہے)

کمل : ہاں تو بھیا! بات یہ ہے کہ ہمارے اسکول کی روایت ہے کہ سالانہ امتحان کے بعد ہر کلاس کا ایک ڈرامہ ہوتا ہے — اور اس میں کلاس کے لڑکوں کے علاوہ باہر والے بھی حصہ لے سکتے ہیں. اب دیکھیے ہمارے وارڈن صاحب ابھی آکر آپ سے ایسی بات چیت کریں گے گویا آپ سچ مچ کے ڈاکٹر ہیں، اور یہ سلیم گویا سچ مچ بیمار ہے — اب آپ کی ایکٹنگ کا کمال یہ ہے کہ وارڈن صاحب کی ایکٹنگ کو بھی مات دیدے،

ستیش : (مسکرا کر) خیر اس کی طرف سے تم بے فکر رہو. اپنے کالج کے ڈراموں میں ہمیں نے ہمیشہ فرسٹ پرائز لیا ہے.

(وارڈن صاحب داخل ہوتے ہیں. ہاتھ میں گولیوں کی شیشی ہے)

ستیش : ہلو وارڈن صاحب — کہیے کیا ہوا ہے لڑکے کو —؟

وارڈن : جناب اب آپ آ ہی گئے ہیں خود دیکھ لیجیے — مجھ سے تو صرف اتنا کہا گیا ہے. کہ پیٹ میں درد ہے — میں یہ ساریڈان کی گولیاں لایا تھا.

ستیش : ارے ایسا غضب نہ کیجیے گا. ڈاکٹر سے پوچھے بغیر کبھی کوئی گولی اپنی

مرضی سے نہیں دینی چاہیے۔ اکثر الٹا اثر ہو جاتا ہے۔

وارڈن: تو آپ خود کوئی دوا بتایئے نا ــــ؟

ستیش: ہاں ہاں اسی لیے تو میں آیا ہوں ۔ کرسی کھینچ کر سلیم کے پلنگ کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔ اور اسٹیتھسکوپ لگا کر اچھی طرح اُسے دیکھتا بھالتا ہے۔ پھر کہتا ہے) بہت سخت درد ہے۔ کئی دنوں تک آرام کی سخت ضرورت ہے۔ پلنگ سے بالکل نہ اٹھنے دیا جائے اور آٹھ دان بعد فوراً کشمیر یا کسی اور ٹھنڈی جگہ بھیج دیا جائے۔ تاکہ جلد صحت حاصل ہو۔

وارڈن: لیکن ڈاکٹر صاحب پرسوں سے تو اس کا امتحان ہے اور پیٹ کا درد اچھا کرنے کے لیے ٹھنڈی جگہ جانا ضروری ہے۔ یہ تو ہم آج پہلی بار سن رہے ہیں۔

ستیش۔ صاحب! ڈاکٹر میں ہوں آپ نہیں ــــ جو میں کہہ رہا ہوں کیجیے۔ ورنہ میں ذمہ دار نہیں ہوں گا۔ امتحان چھٹی کے بعد دوبارہ اسکول کھلنے پر بھی دیا جاسکتا ہے۔ آج ہی اس لڑکے کے فادر کو لکھ دیجیے کہ اسے فوراً کشمیر نہ بھیجا تو بیماری بڑھ جائے گی ــــ۔

وارڈن: تو یہ سب باتیں آپ ہی اپنے دستخط کے ساتھ لکھ دیجیے ــــ میں وہ چھٹی اس کے فادر کو بھجوا دوں گا۔

ستیش: اچھا اچھا ابھی لیجیے۔

ستیش جیب سے وہی چٹھی نکالتا ہے۔ جو اُسے کمل نے بھیجی تھی۔
کمل سخت پریشان ہے۔ اور وارڈن صاحب کی آنکھ بچا کر اسے
اشارہ بھی کر رہا ہے۔ مگر ستیش نہیں دیکھتا۔ چٹھی کی پشت پر
لکھ رہا ہے۔ سلیم بھی پریشان ہے۔ ستیش چٹھی وارڈن صاحب
کے ہاتھ میں دیتا ہے۔ اتنے میں دروازے میں سے کمل کے پتاجی
داخل ہوتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر کمل جلدی سے سلیم کے پلنگ کے نیچے
گھس جاتا ہے۔ ستیش بھی گھبرا کر کرسی سے کھڑا ہو جاتا ہے
گلے سے اسٹیتھسکوپ نکال لیتا ہے)

کمل کے پتاجی: نمستے وارڈن صاحب! — کہیے کمل کیسا ہے —؟ ابھی
میں کلب سے آیا تو اس کی ماں نے بتایا کہ کمل نے اپنے کسی دوست کو
بھیج کر ستیش کو بلوایا ہے۔

وارڈن: کمل تو اچھا ہے — یہ سلیم بیمار ہو گیا اور مدن کو ڈاکٹر صاحب
(ستیش کی طرف اشارہ کر کے) کو بلانے بھیجا تھا۔

کمل کے پتاجی: (ستیش کو اب دیکھتے ہیں) ارے ستیش تم —؟ وارڈن صاحب
آپ اسے پہلے سے جانتے ہیں کیا —؟ یہ میرا بھتیجا ہے۔ بمبئی سے آیا ہے

وارڈن: جی یہی تو ڈاکٹر ہیں جنہیں مدن بلا کر لایا ہے۔ دیکھیے یہ چٹھی انہوں نے
لکھ کر دی ہے۔

(کمل کے پتاجی کو چھٹی دیتے ہیں۔ جو اسے اُس طرف سے پڑھتے ہیں جس طرف کمل نے لکھا ہے۔ کچھ دیر خاموشی سے پڑھنے کے بعد)

پتاجی: بھئی کچھ سمجھ میں نہیں آیا یہ لکھا کیا ہے۔ اور کیوں لکھا ہے۔ ستیش تو ڈاکٹر ہے نہیں ــــ لیجئے آپ خود پڑھیے۔

(وارڈن صاحب کو چھٹی دیتے ہیں۔ وارڈن اس طرف سے پڑھتے ہیں جس طرف ستیش نے لکھا ہے۔)

وارڈن: (بلند آواز سے پڑھتے ہوئے)

شرمان جی! آپ کا لڑکا بہت سخت بیمار ہے ــــ اُسے پورے آرام کی ضرورت ہے اور آٹھ دن بعد کسی ٹھنڈے مقام جیسے کشمیر وغیرہ جانا ضروری ہے۔ ورنہ بیماری بڑھنے کا خطرہ ہے۔

ڈاکٹر ستیش، ایم۔ بی۔ ایس۔

پتاجی: (طنز سے) اچھا تو آپ ایم، بی، بی، ایس ہو گئے ــــ اس جنم میں بی اے ہی کریں تو بہت ہے ــــ وارڈن صاحب ذرا پیچھے تو پڑھیے

وارڈن: (چھٹی پلٹ کر پیچھے جو لکھا ہے۔ بلند آواز سے پڑھتے ہیں)

"ستیش بھیا! نمستے!! ــــ آپ کو ایک بہت ضروری کام سے تکلیف دے رہا ہوں ــــ آپ فوراً میرے اس دوست کے ساتھ ہوسٹل چلے آئیے

آپ کو ایک ڈرامہ میں ڈاکٹر بننا ہے، اس لیے پتاجی کا بیگ اور اسٹیتھسکوپ ضرور لائیے گا۔ یہاں آپ کو میرے ایک دوست کو دیکھنا ہے۔ جو اس ڈرامے میں مریض کا رول کر رہا ہے۔ اور پھر اسے آرام کی ضرورت بتاکر کشمیر جانے کی سخت تاکید کرنی ہے۔ آپ تو کئی ڈراموں میں حصہ لے چکے ہیں ——— ضرور آئیے ——— باقی باتیں زبانی ہوں گی ——— ایک اور بات کا خیال رکھیے گا ——— ہمارے وارڈن صاحب بھی اس ڈرامے میں کام کر رہے ہیں، ضرور آئیے ———۔

آپکا کمل

وارڈن: کچھ سمجھ میں نہیں آیا ———؟

پتاجی: (ڈانٹ کر) بتاؤ جی ستیش ——— یہ کیا تماشا ہے ——— پرسوں سے امتحان ہے۔ اور تم لوگ یہ ڈھونگ کر رہے ہو ——— کہو جی سلیم۔

(پلنگ کی طرف مڑتے ہیں ——— پلنگ خالی ہے۔ جب چھٹی پڑھی جا رہی تھی۔ تو سلیم بھی پلنگ سے اتر کر اس کے نیچے چھپ گیا)

وارڈن: (مدن کا کان پکڑ کر) کیوں بے اُلو ——— اسی لیے ڈاکٹر کو بلانے دوڑا تھا۔ بتا کمل اور سلیم کہاں ہیں؟

مدن: (رو کر کان چھڑاتے ہوئے) میرا کیا قصور ہے سر ——— کمل اور سلیم نے کہا تھا ——— دیکھیے۔ وہ دونوں اس پلنگ کے نیچے چھپے ہیں۔

وارڈن: (پلنگ پوش اٹھا کر جھانکتے ہیں) نکلو دونوں، نکلو ——— جلدی۔

(سلیم اور کمل چاروں ہاتھ پیروں پر چلتے ہوئے پلنگ کے
نیچے سے نکلتے ہیں۔)

کمل کے پتا جی: (کمل کا کان پکڑ کر) کیوں بے نالایق —— تو اسی لیے ہوسٹل میں
آیا تھا؟ —— یہ پڑھائی ہو رہی ہے۔!

کمل: پتا جی معاف کر دیجیے۔

سلیم: (وارڈن سے) سر مجھے بھی معاف کر دیجیے —مجھ سے غلطی ہو گئی ——

وارڈن: نہیں —— تم دونوں کو سخت سزا ملے گی کل ہیڈ ماسٹر صاحب
سے تم دونوں کی رپورٹ کرنی ہے۔ (سلیم سے) اور تمہارے فادر کو
بھی انفارم کیا جائے گا —— تم پر جرمانہ بھی ہوگا۔

کمل کے پتا جی: اچھا وارڈن صاحب میں تو چلوں (ستیش سے) آیئے
ڈاکٹر ستیش ایم، بی، ایس۔

(ستیش گردن جھکائے ان کے پیچھے پیچھے چلا جاتا ہے اور اس کے
پیچھے وارڈن صاحب بھی چلے جاتے ہیں، ان کے جانے کے بعد
مدن۔ سلیم اور کمل تھوڑی دیر چپ چاپ کھڑے رہتے ہیں)

مدن: (کمل اور سلیم کو مخاطب کر کے) اچھی سزا ملے گی، تم دونوں کو —— شکر ہے
کہ وارڈن صاحب نے مجھے بخش دیا۔

سلیم: بہت بیہودہ ہو جی تم —— یہ سب کمل کی وجہ سے ہوا۔ اسی نے ایسی

فالتو ترکیب سوچی تھی۔

کمل : (بہت غصہ سے) تم تو بے ایمان ہو ـــــ ایک تو تمہاری (اس کی بات کاٹ کر سلیم چلاّتا ہے)۔

سلیم : بے ایمان ہو گے تم خود ـــــ ذرا زبان سنبھالو ورنہ ـــــ

کمل : ورنہ کیا ـــ ؟ بڑے تیس مار خاں ہو۔ کیا کرو گے۔

سلیم (آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیتا ہے) یہ کروں گا۔

(کمل گریبان چھڑانے کی بجائے اس سے لپٹ پڑتا ہے۔ دونوں گتھ جاتے ہیں ـــــ اور ایک دوسرے کو دھکیلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مدن چپکے سے کھسک جاتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

رہنے کو گھر نہیں ہے

کردار

مسز تیواری : عمر چالیس پینتالیس برس۔ سجنے بننے کی شوقین۔
بہت بدمزاج۔ تیوری پر ہلکا سا بل ہر وقت رہتا ہے۔

موہن : بیس پچیس برس کا جونیئر کلرک

ملان : عمر تیس برس۔ دبلا پتلا۔ راتوں کو جاگنے کی وجہ سے
آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑے ہوئے ہیں۔

پران ناتھ : چالیس پینتالیس برس کا موٹا سا آدمی۔

لڑکا : دس بارہ برس کی عمر کا۔

[مسز تیواری کے مکان کا ایک چھوٹا سا کمرہ بیچ میں ایک پلنگ ہے دائیں طرف ایک چھوٹی سی میز پر کتابیں، آئینہ، کنگھا۔ جوتے صاف کرنے کا برش سائیکل کا لیمپ اور دو چار رسالے رکھے ہیں۔ پلنگ کے سرہانے کی طرف ٹوٹی ہوئی کرسی رکھی ہے۔ کرسی پر گھڑی رکھی ہے اور ایک کوٹ ٹنگا ہوا ہے بائیں طرف ذرا اونچی سی میز پر چائے کا سامان اسٹو، پیالی، طشتری بسکٹ کا ڈبہ اور ایک ناشتہ دان رکھا ہے۔ اسٹیج پر ایک طرف سے دوسری طرف ایک الگنی بندھی ہے، اس پہ ایک طرف تولیہ لٹکا ہوا ہے اور ہینگر پہ تہہ کیا ہوا پتلون اور بش شرٹ ٹنگے ہیں۔

جب پردہ کھلتا ہے تو موہن سر سے پیر تک چادر اوڑھے حاضرین کی طرف پیٹھ کیے لیٹا نظر آتا ہے۔ دو لمحہ کے بعد گھڑی کا الارم بجنا شروع ہوتا ہے۔ موہن اسی طرح سوتا رہتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد

کروٹ بدلتا ہے۔ اب اس کا منھ حاضرین کی طرف ہے تھوڑی دیر بعد
ہاتھ ادھر اُدھر مار کر کرسی پر گھڑی تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہو
اتنے میں مسز تیواری آجاتی ہے)

مسز تیواری: اے موہن بابو اب اٹھو گے بھی یا نہیں؟

موہن: (انگڑائی لے کر) اُٹھتا ہوں!! (پھر کروٹ بدل کر سو جاتا ہے)

مسز تیواری: پورے چھ بج گئے۔ بعد میں کہو گے کہ اٹھایا نہیں، آفس جانے میں دیر ہو گئی۔

موہن: (جھٹکے سے چادر الگ کر کے اٹھتا ہے اور آنکھیں ملتا ہے) لیجئے بابا اٹھ گیا۔ آج سویرے سویرے آپ کے درشن ہو گئے بھگوان بھلی کرے۔ دیکھئے آج دن بھر کھانا بھی نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔

مسز تیواری: (آنکھیں نکال کر) کیا مطلب! کیا میں اتنی بری ہوں کہ مجھے دیکھنے والے کو دن بھر کھانا نصیب نہیں ہوتا؟

موہن: نہیں ــ نہیں، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔

مسز تیواری: بس رہنے دو ــ مجھے سب معلوم ہے تم جیسے احسان فراموش آدمی کو میں اسی لیے اپنے گھر میں نہیں رہنے دینا چاہتی تھی وہ تو کہو کہ شرما صاحب کے کہنے سے مجبور ہو گئی۔

موہن: (ہاتھ جوڑ کر) دیوی جی معاف کیجئے۔ ایرادھ ہو گیا اب ایسی

غلطی دوبارہ نہ ہوگی

مسز تیواری: غلطی کو ڈالو چولھے میں اور میرا گھر خالی کرکے چلتے پھرتے نظر آؤ ـــــ لو بھلا کوئی دیکھے تو! اتنا بڑا کمرہ صرف پچاس روپے مہینے پر ان کو اسی لیے دیا تھا کہ روز سویرے اٹھ کر مجھے گالیاں دیا کریں!؟

موہن: دیوی جی صرف پچاس روپے کہکر آپ مجھ پر بڑا ظلم کر رہی ہیں۔ بجلی کے پانچ روپے۔ پانی کے پانچ روپے اور کمرے میں جھاڑو دینے کے پانچ روپے، اس طرح پندرہ روپے مہینہ جو آپ ہر مہینے ان پچاس روپیوں کے علاوہ لیتی ہیں وہ کس کھاتے میں آئیں گے ـــ؟

مسز تیواری: (جھنجھلاتی ہوئی) دیکھو جی! تم یہ بنیوں کی طرح بہی کھاتہ کھول کر تو بیٹھو مت! اگر اتنا ہی میرا مکان ناپسند ہے تو اٹھو بوریا بستر باندھو اور اپنا راستہ ناپو میرا اتنا بڑا کمرہ تم جیسے مفت خوروں کے لیے نہیں ہے۔

موہن: (گھبرا جاتا ہے) دیوی جی کان پکڑتا ہوں جو آئندہ آپکی یا آپ کے کمرہ کی شان میں گستاخی کروں اگر آپ کہیں تو دس بار اٹھک بیٹھک بھی کروں ـــ پر اتنی دیا کیجیے کہ کمرہ سے نہ نکالیے۔ پردیس میں کہاں مارا مارا پھروں گا۔

مسز تیواری: (طنز سے مسکرا کر) اب آیا مزاج ٹھکانے! ـــ ارے میں

تم جیسے چھوکروں کو ایک منٹ میں نکال باہر کروں ۔ وہ تو شرما صاحب۔

موہن : (بات کاٹ کر) اچھا دیوی جی آپ جس کام سے آئی تھیں وہ تو کہیے
تاکہ شرما صاحب کی جان چھوٹے ۔

مسز تیواری : میں یہ کہنے آئی تھی کہ تم روز اس کمرہ میں باہر سے تالا کیوں
ڈال کر جاتے ہو کیا مجھے چور سمجھا ہے ۔ آخر گھر میرا ہے ۔ اتنا بڑا کمرہ
تمہیں اس لیے نہیں دیا کہ تم اس میں تالے ڈال ڈال کر رکھا کرو۔

موہن : مگر دیوی جی آپ یہ بھول رہی ہیں کہ میں نے آتے ہی آپ سے
کہدیا تھا کہ آفس میں میں کام پورا نہیں کر سکتا۔ اس لیے گھر پر بھی
آفس کے کاغذات لے آتا ہوں اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں بھی
رکھی رہتی ہیں اس لیے احتیاطاً تالا ڈال دیتا ہوں اس میں برا ماننے
کی کیا بات ہے۔؟

مسز تیواری : (غصے میں) بات کیوں نہیں ! بہت بڑی بات ہے ۔ کیا
میں تمہاری چیزیں کھا جاؤں گی ۔ یا چرا کر بیچ دوں گی ۔ آخر تم مجھے
کیا سمجھتے ہو۔

موہن : دیوی جی! معاف کیجیے، اب تالا نہیں ڈالوں گا ۔ کم سے کم میری جان
تو چھوڑیئے۔ آپ کی باتوں میں آدھا گھنٹہ گزر گیا ۔ آج آفس میں
دیر ہو گئی تو صاحب کی ڈانٹ پڑے گی ۔

(یہ مکالمہ ادا کرتے ہوئے موہن الگنی پر سے تولیہ اتار کر کندھے پر ڈال لیتا ہے۔ ہینگر پتلون۔ بش شرٹ سمیت اٹھا لیتا ہے اور میز پر سے صابن دانی اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھتا ہے)

میں نہا کر ابھی آتا ہوں۔

(موہن چلا جاتا ہے۔ مسز تیواری کمرے میں اکیلی رہ جاتی ہے۔ ابھی تک کرسی پر بیٹھی تھی اب اٹھ کر صفائی شروع کرتی ہے اور صفائی کرتی کرتی اپنے آپ سے باتیں کرتی جاتی ہے)

مسز تیواری: عجیب زمانہ آگیا ہے۔ کسی پر احسان کرنا بھی اپنے لیے مصیبت مول لینا ہے لو بھلا مجھے کیا پاگل کتے نے کاٹا تھا کہ اپنا اتنا بڑا کمرہ صرف پچاس روپے میں اسے دیدیتی وہ تو یہ کہو کہ شرما صاحب کی بات میں نے مان لی ورنہ آجکل کے زمانے میں بھلا پچاس روپے مہینے پر اتنا اچھا کمرہ کسی کو ملتا ہے اور پھر بجلی اتنی ساری — صرف پانچ روپے مہینے میں۔ پانی کا ٹیکس آخر میونسپلٹی لیتی ہی ہے میں نے بھی اگر پانچ روپے لے لیے تو کیا برا کیا — اور پھر یہ جو میں اس کے کمرہ میں جھاڑو دیتی ہوں یہ کیا مفت میں ہے۔ اس کے پانچ روپے بھی نہ لوں۔ اتنا بڑا کمرہ یوں ہی دیدوں — چلے آتے ہیں زمانے بھر کے مفت خورے آخر میں کس کس کا انتظام کرتی پھروں۔

(موہن آجاتا ہے پتلون اور بش شرٹ پہنے ہوئے ہے اور تولیہ
سے بال پونچھتا جاتا ہے)

موہن : کس سے باتیں کر رہی ہیں دیوی جی۔

مسز تیواری : اپنے دُربھاگیہ کو رو رہی ہوں بھیا کہ یہ مؤا چھوٹا سا شہر ہے
اس لیے اتنا اچھا کمرہ صرف پچاس روپے مہینے میں تمہیں دیدیا اگر بمبئی
میں یہ کمرہ ہوتا تو ڈیڑھ سو سے کم میں نہ جاتا اور پگڑی علیٰ سوالگ۔

موہن : (یاد دلاتے ہوئے) دیوی جی! آپ پندرہ روپے پھر بھول گئیں،
وہی بجلی پانی اور جھاڑو کے ـــ

مسز تیواری : (چلاکر) ہاں ہاں کیوں نہ لوں میرا مال ہے اس پر جتنا چاہوں
منافع لوں تم کون طعنے دینے والے ــ ایسا ہی ہے تو چلے جاؤ۔

موہن : فی الحال تو آفس جا رہا ہوں۔ آج آپ کے درشن کے طفیل صبح کی چائے
اور ناشتے سے بھی گیا۔ شام کو آکر بات کروں گا۔

(میز پر سے ایک فائل اٹھا کر تیزی سے باہر چلا جاتا ہے)

مسز تیواری : (اطمینان کی سانس لے کر) چلو شام تک کے لیے اس کا تو
پاپ کٹا ــ اب کاہے کی جھاڑو ــ بس میں بھی آرام کروں۔

(ایک لڑکا دوڑتا ہوا آتا ہے اور دروازے کے باہر ہی سے پکارنا
شروع کر دیتا ہے)

لڑکا : چاچی او چاچی !

مسنر تیواری : ۔ کون ہے ؟ — ارے تو پھر آگیا میں نے کہا تھا نا کہ اب کی ادھر آیا تو ٹانگ توڑ دوں گی !

لڑکا : بس بس توڑ دو نہ توڑ و اپنی ٹانگ — ہمیں کیوں ڈراتی ہو۔ ہم تو یہ کہنے آئے تھے کہ باہر ایک آدمی کھڑا ہے تم سے ملنا چاہتا ہے۔

مسنر تیواری : ارے تو آنے کیوں نہیں دیا اپنی منحوس شکل دکھانے خود کیوں آگیا۔

لڑکا : دیکھو جی شور مت مچاؤ اور گالی ، کوسنے ، بھی مت دو ایک تو میں اپنا کام چھوڑ کر تمہیں بتانے آیا اور اوپر سے ڈانٹتی بھی ہو۔ (مسنر تیواری کو منھ چڑا کر لڑکا بھاگ جاتا ہے)

مسنر تیواری : (اس کے پیچھے دوڑتی ہے دروازے پر رُک جاتی ہے اور پکارتی ہے) ارے بھئی کون ہے اندر آجاؤ نا۔

(مدن ملگجے سے کپڑے پہنے ہوئے داخل ہوتا ہے۔ بہت تھکا ہوا نظر آتا ہے ہاتھ میں ایک تھیلی ہے)

مدن : نمستے جی !

مسنر تیواری : نمستے !! (تیوری کے بل اور گہرے ہو جاتے ہیں اور درشت لہجے میں بات کرتی ہے) کیا ہے ؟ کیوں آئے ہو ؟

مدن : جی مجھے ایک کمرہ چاہیے تھا۔

مسز تیواری : (منھ چڑھا کر) کمرہ چاہیے تھا۔ بس چلے آتے ہیں منھ اٹھائے کمرہ مانگنے ـــ میرے گھر کیا کمروں کا درخت لگا ہے کہ توڑ کر ایک ایک سب کو بانٹتی پھروں ـــ جاؤ جاؤ چلتے پھرتے نظر آؤ۔ نہیں ہے کمرہ ومرہ۔

مدن : (گھگھیا کر) دیوی جی بڑی آس لے کر آیا ہوں۔ میں دن میں صرف چھ سات گھنٹے کے لیے کمرہ میں رہا کروں گا۔ رات کو تو مجھے پریس میں ڈیوٹی دینی پڑتی ہے۔

مسز تیواری : (کچھ سوچتی ہے) صرف دن کو چھ سات گھنٹے ـــ کیا کام کرتے ہوئے تم ؟

مدن : ایک اخبار "نئی روشنی" کا سب ایڈیٹر ہوں ـــ آپ تو اخبار پڑھتی ہونگی نا؟

مسز تیواری : (ناک چڑھا کر) نہیں مجھے ایسی فالتو باتوں کا شوق نہیں اور نہ میں بیکار چیزوں پر پیسہ برباد کروں۔

مدن : خیر کوئی بات نہیں اب آپ کو مفت میں اخبار پڑھنے کو ملا کرے گا۔

مسز تیواری : نہ بابا ـــ میرے پاس اتنا بے کار وقت کہاں ہے کہ اخبار پڑھا کروں ـــ ہاں کبھی الماری میں بچھانے کے کام آ جائے گا۔ کبھی بارش کے دن محلہ پڑوس کے بچوں کو ناؤ بنا کر دے دیا کروں گی ہاں تو تم رات کو کام پر جاتے ہو۔؟

مدن : جی ہاں! — شام کے چھ بجے سے آٹھ بجے تک۔ ایک جگہ ٹیوشن کے لیے جاتا ہوں پھر ۸½ سے صبح کے چھ بجے تک اخبار کے دفتر اور پریس میں کام کرتا ہوں غرضے کہ ساری رات کا تھکا ہارا چاہتا ہوں کہ دن میں چار چھ گھنٹے کی نیند ہو جائے۔

مسز تیواری : ہوں۔ (گردن ہلاتی ہے۔ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی ہے)

مدن : تو دیوی جی کیا کہنا ہے آپ کا (جیب کی طرف ہاتھ لے جاکر) کرایہ جتنا آپ کہیں دیدوں گا۔ جب آپ کہیں دیا کروں گا۔

مسز تیواری : بھئی میرے پاس تو کوئی کمرہ نہیں صرف یہ ہے اور —

مدن : (بات کاٹ کر) چلے گا چلے گا۔ بہت اچھا ہے یہ — کیا کرایہ لیں گی آپ اس کا —

مسز تیواری : (سوچتے ہوئے) یہ کمرہ چلے گا — کرایہ — ہاں! تو تم صرف دن بھر رہا کروگے — شام کو کتنے بجے چلے جایا کروگے — ؟

مدن : پانچ ساڑھے پانچ بجے تک۔

مسز تیواری : نہیں — چار بجے سے پہلے پہلے تمہیں یہاں سے چلا جانا چاہیئے اور پھر دوسرے دن صبح سات بجے سے پہلے تم ادھر کا رخ بھی نہ کروگے۔

مدن : (خوش ہوکر) منظور ہے۔

مسز تیواری : اچھا تو کرایہ اس کا ستر روپے ہوگا اور دو مہینے کا کرایہ پیشگی

دینا ہوگا۔

مدن: (سر پر دوہتھڑ مار کر) ستّر روپے! دیوی جی کیا غضب کر رہی ہیں میری تنخواہ کل ایک سو بائیس روپے ہے اس میں سے ستّر آپ لے لیں گی تو میں کھاؤں گا کیا۔

مسز تیواری: (جھنجھلا جاتی ہے) میں نے ساری دنیا کے کھانے پینے کا ٹھیکہ نہیں لیا ہے جی — ستّر روپے کرایہ دینا ہے تو دو نہیں تو جاؤ کوئی دوسرا کمرہ دیکھو۔

مدن: (گھبرا کر) بڑی کرپا ہوگی آپ کی — اگر کچھ کم کر دیں۔ دیکھیے اس وقت میرا کہیں ٹھکانہ نہیں رات بھر کا جاگا ہوا ہوں۔

مسز تیواری: ارے تو مجھ پر کون سا احسان کیا ہے۔ اس سے پہلے جہاں جھک مارتے تھے وہیں جاؤ نا!

مدن: جی وہاں نہیں جا سکتا اسی لیے تو یہاں آیا ہوں۔

مسز تیواری: کیا مطلب ہے تمہارا؟ — کہیں کسی کا دو تین مہینے کا کرایہ تو دبا کر نہیں بھاگے ہو۔ جو ایسی باتیں کر رہے ہو؟

مدن: (گھبراہٹ میں ہکلا کر) ن۔ ن نہیں دیوی جی یہ بات نہیں — اصل میں — وہ دیکھیے نا — بات یہ ہے کہ در اصل میں خود وہاں نہیں رہنا چاہتا۔

مسز تیواری : کیوں ــــ ؟

مدن : وہ دیکھیے بات یہ ہے کہ مالک مکان شریف آدمی نہیں تھا۔

مسز تیواری : ہاں !ــــ تو میرا مکان چھوڑ کر جاؤ گے تو میرے بارے میں بھی یہی کہو گے ــــ کیوں ؟

مدن : (دونوں گالوں پر تھپڑ مار کر) ارے نہیں نہیں بھلا میری یہ مجال۔ آپ بس کرایہ میں ذرا سی کمی کر دیجیے ۔ پھر دیکھیے کہ آپ کے بارے میں میں اپنے اخبار نئی روشنی میں کیسے کیسے بڑھیا آرٹیکل لکھوں گا۔

مسز تیواری : (خوش ہو کر) سچ ؟ ! ــــ ارے تب تو تم بڑے کام کے آدمی ہو ــــ پر کرایہ تو ستر روپے ہی دینا ہوگا۔

مدن : کچھ تو دَیا کیجیے !

مسز تیواری : (فیصلہ کن انداز میں) اچھا تو بس پینسٹھ دے دینا۔ پچاس کرائے کے. پانچ بجلی کے. پانچ پانی کے اور پانچ کمرے میں جھاڑو دینے اور صفائی کے۔

مدن : مگر میں تو آپ کی بجلی استعمال ہی نہیں کروں گا۔ اور پانی کی بھی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ باہر سڑک کے نل پہ بیٹھ کر نہالوں گا ــــ رہی جھاڑو اور صفائی۔ اس کا بھی مجھے شوق نہیں بس ایسے ہی سب پھیلا ہوا اچھا لگتا ہے اس لیے آپ وہ پندرہ روپے بھی کم کر کے صرف پچاس روپے

رہنے دیجئے)

مسز تیواری : (پھر چڑ جاتی ہے) بس زیادہ مت بڑھو۔ رہنا ہے تو رہو نہیں تو جاؤ۔

مدن : اچھا بابا منظور ہے۔

مسز تیواری : تو کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو جا کر اپنا سامان لاؤ نا۔

مدن : سامان ـــــ ؟ سامان تو میرے پاس کچھ نہیں (ہتھیلی کی طرف اشارہ کرکے) بس جو کچھ ہے یہ ہے۔ میں تو سمجھا تھا کہ آپ اتنا سارا کرایہ اس لیے لے رہی ہیں کہ فرنشڈ روم دیں گی۔

مسز تیواری : (طنز سے سر ہلا کر) فرنشڈ روم! ـــ بڑے آئے نواب کہیں کے۔ جاؤ جاؤ میں تمہیں کمرہ دیتی ہی نہیں ـــ ارے سامان کی ضمانت پر ہی تو میں اتنا بڑا کمرہ کرایہ پر دیتی ہوں کہ اگر کبھی کرایہ دار کرایہ دبا کر بھاگ جانا چاہے تو میں اس کا سامان دبا لوں۔ تم جیسے کنگلے کو کس ضمانت پر کمرہ دوں۔

مدن : (ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے) مگر میں تو اتنے بڑے اخبار کا سب ایڈیٹر ہوں۔

مسز تیواری : (ہاتھ نچا کر) جاؤ جاؤ ـــ میں کسی چیتھڑے اخبار کے پھٹیچر ایڈیٹر کو نہیں جانتی!۔

مدن : ارے میں تو بھول ہی گیا (جیب سے ایک چٹھی نکال کر دیتا ہے) یہ شرما صاحب

نے دی تھی۔

مسز تیواری: (چٹھی لے کر پڑھتی ہے۔ گردن ہلاتی جاتی ہے) اچھا اچھا شرما صاحب نے تمہاری سفارش کی ہے تو پھر رہ لو۔ اب میں تم پر بھروسہ کر سکتی ہوں؛

مدن: آپ کی بڑی مہربانی ہے دیوی جی۔

مسز تیواری: مہربانی تو تم کرو مجھ پر۔ وہ یہ کہ دو مہینے کا کرایہ ایڈوانس نکالو۔

مدن: دو مہینے کا تو نہیں ہاں یہ لیجئے ایک مہینے کا کرایہ موجود ہے۔ (جیب سے روپے نکال کر گنتا ہے۔ اور مسز تیواری کو دیتا ہے)

مسز تیواری: اچھا لاؤ ایک ہی مہینے کا سہی۔ کیا کروں شرما صاحب کی سفارش نے مجبور کر دیا ورنہ میں تو تم جیسوں کو منہ نہیں لگاتی۔

مدن: اچھا دیوی جی یہ سب سامان میں استعمال کر سکتا ہوں نا؟

مسز تیواری: ہاں ہاں میرا ہی ہے۔ کوئی چیز خراب نہ ہونے پائے۔

مدن: آپ بے فکر رہیے۔ اب تو میں سوتا ہوں۔ رات بھر کا جاگا ہوا ہوں۔

مسز تیواری: دیکھو یاد رکھو تین بجے اُٹھ جانا اور چار بجے سے پہلے پہلے یہاں سے چلے جانا۔

مدن: (ٹالتا ہوا) اچھا اچھا اب سونے تو دیجیے۔

(مسز تیواری چلی جاتی ہے۔ مدن گھڑی میں تین بجے کا الارم لگا کر

سو جاتا ہے۔ اسٹیج پر اندھیرا ہو جاتا ہے جس سے کچھ گھنٹوں کا وقفہ ظاہر ہوتا ہے۔ پھر روشنی ہو جاتی ہے اور الارم بجتا ہے۔ مدن اٹھکر بیٹھتا ہے۔

مدن : (انگڑائی لے کر) بھگوان تیرا شکر ہے آج ذرا چین سے سونے کو ملا۔

مسز تیواری : (جھانک کر دیکھتی ہے اور مدن کو جاگتا ہوا پاکر اندر آجاتی ہے) اُٹھ گئے تم! میں نے کہا تین بج گئے اب جانے کی تیاری کرو۔

مدن : ہاں بس! ابھی منھ ہاتھ دھو کر آیا۔

(باہر چلا جاتا ہے۔ اتنے مسز تیواری بستر وغیرہ درست کرتی ہے۔ مدن واپس آتا ہے۔)

مسز تیواری : دیکھو اب اس بستر پر مت بیٹھنا۔ میں نے سب ٹھیک کر دیا ہے ـــ اور بس اب جلدی سے چلے جاؤ۔

مدن : بس پندرہ منٹ میں چلا۔

(مسز تیواری چلی جاتی ہے)

مدن : اُفوہ بھوک کے مارے تو برا حال ہے۔ جیب میں کھوٹی کوڑی بھی نہیں۔ جو کچھ تھا وہ اس چڑیل کو دے دیا۔ اب کیا ہوگا (نظر بسکٹ کے ڈبے اور ناشتے دان پر پڑتی ہے۔ خوش ہو جاتا ہے) او بھگوان تیرا کیا کہنا۔ (بسکٹ نکال کر کھاتا ہے۔ اسی اثنا میں نظر کارڈ لفافوں

پر پڑتی ہے۔) ارے لاؤ خط بھی لکھدوں۔ (بسکٹ ختم کر کے کیلا کھانا شروع کرتا ہے۔ بائیں ہاتھ میں کیلا ہے اور دائیں ہاتھ سے خط لکھتا جاتا ہے۔ کچھ گنگنا بھی رہا ہے اور پیر سے زمین پر تال بھی دیتا جاتا ہے پیچھے سے مسز تیواری کی آواز آتی ہے)

مسز تیواری: ارے تم گئے نہیں ابھی تک (یہ کہتے کہتے خود بھی کمرہ میں آجاتی ہے) میں نے کمرہ کرایہ پر دیا ہی بیجا نہیں۔ اور یہ کیا گدھے کی طرح دولتیاں جھاڑ رہے ہو۔ سارا فرش اکھڑ جائے گا (باہر سے کسی کے گانے کی آواز نزدیک آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ مسز تیواری جھانک کر دیکھتی ہے۔)

مسز تیواری: ارے بھاگو جلدی جاؤ۔ (مدن کو جھنجھوڑ دیتی ہے) میں کہتی ہوں اٹھو جلدی۔

(مدن جلدی سے اٹھتا ہے دائیں طرف کے دروازے کی طرف بڑھتا ہے اور پھر مڑ کر کرسی پر سے کوٹ اٹھا کر کندھے پر ڈالتا ہوا باہر نکل جاتا ہے اس کے پیچھے پیچھے مسز تیواری بھی چلی جاتی ہے دوسرے دروازے سے موہن گنگناتا ہوا داخل ہوتا ہے۔ فائل میز پر پٹخ کر دھڑسے پلنگ پر بیٹھ جاتا ہے اور جوتے کے بند کھولنے شروع کرتا ہے کہ نظر کیلے کے چھلکے پر پڑتی ہے، حیرانی سے اسے دیکھتا ہے پھر میز کی طرف دیکھتا ہے وہاں بسکٹ

کا ڈبہ اور ناشتہ دان کھلا ہوا دیکھ کر زور سے چلاتا ہے)

موہن : مسز تیواری ـــ مسز تیواری ۔

مسز تیواری : (داخل ہوتی ہے) کیا ہے جی ۔ کیوں میرے گھر کی چھت اڑائے دیتے ہو ۔

موہن : (فرش پر سے کیلے کا چھلکا اٹھا کر اسے دکھاتا ہے) یہ کیا ہے میرے کیلے اور یہ بسکٹ کس نے کھائے ؟

مسز تیواری : تمہیں نے کھائے ہوں گے، مجھے کیا خبر !؟

موہن : (سر ہلا کر طنز سے) اچھا تو اسی لیے آپ نے مجھے کمرہ میں تالا لگانے کو منع کیا تھا !

(باہر سے آواز آتی ہے)

آواز : چاچی ـــ او چاچی ۔

مسز تیواری : دیکھو جی فالتو شور مت مچاؤ (یہ کہتی ہوئی باہر کی طرف دیکھ کر پکارتی ہے) آرہی ہوں ۔

موہن : (سر جھکائے پیر پٹختا ہوا بستر کی طرف بڑھتا ہے ۔ پلنگ پوش اٹھا کر زور سے نیچے پھینک دیتا ہے بستر پر سگریٹ اور ماچس کی ڈبیا نظر آتی ہے)

موہن : (حیرت کے عالم میں) ارے یہ سگریٹ ماچس کس کی ہے ؟ کیا یہ مسز تیواری چڑیل سگریٹ بھی پیتی ہے ۔ (سگریٹ ماچس اٹھا کر میز پر رکھنے

کے لیے بڑھتا ہے تو کرسی پر نظر پڑتی ہے جہاں سے کوٹ غائب ہے)
ارے میرا کوٹ کہاں گیا ۔۔ اس میں تو میرا بٹوہ تھا ۔ ہائے رے
سب روپے چلے گئے او مسز تیواری (دبی زبان سے) چڑیل ۔

مسز تیواری: (آواز سن کر آتی ہے) کیا ہے جی کس کو چڑیل کہہ رہے ہو ۔

موہن: (پریشان ہو کر) جی کسی کو بھی نہیں ۔ اپنی قسمت کو کوس رہا تھا ۔ پتا جی
کو کوس رہا تھا ۔

مسز تیواری: پتا جی ۔۔ ؟ کس کے پتا جی کو ۔۔ ؟

موہن: اجی اپنے پتا جی کو ۔۔ انہوں نے مجھے بی اے ۔ تک پڑھانے میں
جتنا روپیہ لگایا اگر اس کا ایک گھر ہی بنوا دیتے تو آج خود بھی مزے
سے رہتا اور کرایہ بھی وصول کرتا ۔ کلرکی میں تو صرف ۱۲۵ روپے ملتے
ہیں ۔ جس میں سے ٦۵ روپے آپ لے لیتی ہیں میرے حصے میں تو
صرف ساٹھ روپے مہینہ آتا ہے ۔ مکان کا کرایہ تو اس سے زیادہ وصول
ہو جاتا ۔ میں نے عہد کیا ہے کہ اپنے بچوں کو بالکل نہیں پڑھاؤں گا ۔
اور پیسے جمع کر کے سب کے لیے ایک ایک گھر بنوا دوں گا تا کہ وہ میری
طرح بے گھر بے در نہ رہیں ۔ (یہ کہتا ہوا میز کی طرف بڑھتا ہے) بس
ابھی میں سُدھا کو خط لکھے دیتا ہوں ۔

مسز تیواری: سُدھا کون ؟ ۔۔

موہن: آپ نہیں جانتیں شُدھا میری منگیتر ہے۔ وہ ایک اسکول میں ٹیچر ہے اور چاہتی ہے کہ دنیا کے سب بچے پڑھے لکھے ہو جائیں۔ میں اسے صاف صاف لکھے دیتا ہوں کہ پڑھنے لکھنے سے زیادہ ضروری ایک مکان اور دو وقت کا کھانا ہے۔

(میز کے پاس پہنچ کر دیکھتا ہے ایک لفافہ پر پتہ لکھا ہوا ہے)

ہائیں!! — یہ خط کس نے لکھا! مسز تیواری یہ کیا اندھیر ہے۔

مسز تیواری: چلّاتے کیوں ہو جی۔ تم ہی لکھ کر گئے ہو گے۔

موہن: غضب ہے کوئی میں کیا جانوں (لفافہ پر سے پتہ پڑھتا ہے) شُمن مصرا۔ کون بلا ہے یہ۔ اسے بھلا میں کیوں خط لکھنے لگا اور اب دوسرا لفافہ خریدنے کو پندرہ پیسے کہاں سے لاؤں! میرے پاس تو جو کچھ تھا وہ اس بٹوے میں تھا جو کوٹ کے ساتھ غائب ہو گیا اور میرا کوٹ کہاں ہے؟

(اسی وقت مدن آجاتا ہے اور موہن کے ہاتھ میں خط دیکھ کر ٹھٹک جاتا ہے موہن اس کے جسم پر اپنا کوٹ دیکھ کر تیوری چڑھا لیتا ہے۔ مسز تیواری چپکے سے باہر نکل جاتی ہے)

موہن: کون ہو جی تم؟ اس کمرے میں کیوں آئے اور میرا کوٹ کس کی اجازت سے پہنا۔

مدن: یہی بات میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو اور اس کمرے میں

کیوں آئے (خط کی طرف اشارہ کر کے) یہ خط تم نے کیوں اٹھایا اسی کو
لینے تو میں آیا ہوں مسٹر تیواری نے بڑی جلدی میں مجھے یہاں سے نکالا تھا۔
راستے میں یاد آیا کہ خط تو میز ہی پر رہ گیا اگر آج شام کی ڈاک سے نہ
نکلا تو وقت پر سُمن کو نہ ملے گا اور وہ ناراض ہو جائے گی۔

موہن: آخر پتہ تو چلے کہ تم ہو کون۔ میرے کمرے میں بلا اجازت داخل ہوئے۔
میرا کوٹ پہنا اور میرے کارڈ لفافے لکھنے شروع کر دیئے۔ میں ابھی
پولیس میں رپورٹ کرتا ہوں۔

مدن: میرا نام مدن ہے میں اخبار "نئی روشنی" کا سب ایڈیٹر ہوں۔ میری
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

موہن: (میز پر مُکّا مار کر چیخ کر کہتا ہے) میں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ کمرہ میرا
ہے ۶۵ روپیہ مہینہ کرایہ دے رہا ہوں۔ اور میں یہ برداشت نہیں
کر سکتا کہ میری اجازت کے بغیر کوئی اس میں قدم رکھے اور میری چیزیں
استعمال کرے۔

مدن: چیخو چلّاؤ مت۔ میں بھی چوری سے نہیں آیا۔ میں نے بھی ایک مہینے کا
پیشگی کرایہ ۶۵ روپے مسٹر تیواری کو دیا ہے اور انھوں نے کہا ہے
کہ میں اس کمرہ کی ہر چیز استعمال کر سکتا ہوں۔

موہن: مسٹر تیواری جائے جہنم میں۔ وہ چڑیل کون ہوتی ہے۔ میری چیزیں

دوسروں کو دینے والی — اور یہ لفافہ کیا میں اس لیے لایا تھا کہ تم اسے استعمال کرو۔ (لفافہ پھاڑ ڈالتا ہے مدن جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے چھیننا چاہتا ہے تو موہن اسے گلے سے پکڑ لیتا ہے)

موہن: اتارو میرا کوٹ — اور اس میں کا پرس کہاں ہے۔

(موہن اور مدن ایک دوسرے سے بھڑ جاتے ہیں اور لڑتے ہوئے پلنگ پر گرتے ہیں مسز تیواری آتی ہے۔)

مسز تیواری: ارے لفنگو! — یہ کیا دھینگا مشتی تم نے شروع کر دی۔ یہ شریفوں کا گھر ہے — غنڈے موالیوں کی طرح یہاں دنگا کرو گے تو ابھی پولیس کو دیدوں گی — اچھا اٹھو دونوں اور میرا کمرہ خالی کرو۔

(موہن اور مدن ایک دوسرے کو چھوڑ کر کپڑے جھاڑتے ہوئے۔ بال درست کرتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں)

موہن: (ہانپتے ہوئے) مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ کیا تماشہ ہے؟ یہ آدمی کون ہے؟ اسے میرے کمرے میں کس نے آنے دیا۔

مسز تیواری: میرا کمرہ میرا کمرہ یہ کیا لگا رکھا ہے تم نے۔ کمرہ میرا ہے، تم نے ۶۵ روپے مہینے دے کر خرید تھوڑی لیا ہے۔ میں جس کو چاہوں رکھوں — دن بھر تم آفس میں رہتے ہو کمرہ خالی پڑا رہتا ہے میں نے سوچا اس غریب آدمی کے سونے کا ٹھکانہ کر دوں، اگر تمہیں

منظور نہیں ہے تو چلے جاؤ ـــ دوسرا کمرہ دیکھو ـــ

(باہر سے آواز آتی ہے)

آواز : مسز تیواری !! ـــ

مسز تیواری : (جھانک کر دیکھتی ہے) کون ہے ؟ اندر آجاؤ !!

(پران ناتھ اندر آتا ہے)

پران ناتھ : (ہاتھ جوڑ کر نمستے کرتا ہے) جی میں پران ناتھ ہوں۔

مسز تیواری : (تیوری پر بل ڈال کر) ہو تو میں کیا کروں۔

پران ناتھ : (رکتے ہوئے) آٹھ دن ہوئے میرا تبادلہ بمبئی سے یہاں ہوا ہے۔

مسز تیواری : تو اس میں میرا کیا قصور ہے ؟ میرے پاس کیوں آئے ہو۔

پران ناتھ : جی میں نے سنا تھا کہ آپ کمرہ کرایے پر دیتی ہیں۔

مسز تیواری : ہاں یہ کمرہ ہے۔ رات بھر کے لیے تمہارا ـــ کرایہ پچاس روپے۔
پانی کے پانچ روپے۔ بجلی کے پانچ روپے۔ جھاڑو دینے کے پانچ روپے
دن کو یہ سجن (مدن کی طرف اشارہ کرتی ہے) اس میں رہیں گے ـ بولو منظور
ہے ـ ؟

موہن : مگر رات کو تو میں رہتا ہوں دیوی جی ـ میں کہاں سوؤں گا۔

مسز تیواری : (بڑے طنز سے) دیوی جی ـ !! ہو گئے مزاج درست !کرنے
لگے خوشامد ـ !! نکالو اپنا سامان اور سوؤ سڑک پر ـ میں تم جیسے جھگڑالو

آدمی کو اپنے مکان میں نہیں رکھ سکتی۔

پیران ناتھ: (حیرت سے ایک ایک کو دیکھتا ہے پھر عاجزی سے مسز تیواری سے کہتا ہے) مگر دیوی جی مجھے تو رات دن دونوں وقت کے لیے کمرہ چاہیے۔ میرے بیوی بچے بھی ہیں۔

مسز تیواری: (اندرونی خوشی کو دبانے کی کوشش کرتی ہوئی) تو رات دن کا کرایہ تو ڈیڑھ سو روپیہ پڑے گا۔

پیران ناتھ: مگر دیوی جی! میری تنخواہ تو کل تین سو روپے ہے۔ ایک بیوی، پانچ بچے، ڈیڑھ سو روپے آپ کو دیدوں گا تو انھیں کیا کھلاؤں گا!!

مسز تیواری: (جھنجھلا کر) ہوا کھلانا — ! مجھ سے کیا پوچھتے ہو کوئی میں نے یتیم خانہ کھول رکھا ہے۔

پیران ناتھ: (ہاتھ جوڑ کر) ارے دیوی جی اتنا غصہ نہ کیجیے۔ میں نے تو سنا تھا آپ بہت دیالو ہیں۔

مسز تیواری: ہاں ہاں آج تم پہ دیا کروں اور کل خود بھوکی مروں یہی چاہتے ہو نا —؟

پیران ناتھ: (ہار مان کر مضمحل لہجے میں) اچھا خیر آپ کی مرضی۔ آدھی تنخواہ آپ کو ہی دے دیا کروں گا اور سمجھوں گا کہ آپ ہی کے لیے کما رہا ہوں — کسی طرح سر چھپانے کو جگہ تو ملے۔ آٹھ دن سے ہوٹل میں نو روپے

روز پر کمرہ لیے پڑا ہوں۔

مسز تیواری: ہوں — کرایہ پیشگی دینا ہوگا۔

پران ناتھ: جی میں ابھی لے کر آتا ہوں۔

(چلا جاتا ہے)

(مدن اور موہن اس تمام بات چیت کے دوران حیران منہ کھولے کھڑے ہیں کبھی مسز تیواری اور پران ناتھ کو دیکھتے ہیں کبھی ایک دوسرے کی طرف ہمدردی سے دیکھتے ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا کریں —)

مسز تیواری: (مدن اور موہن سے مخاطب ہو کر) اے لفنگو! نکلو یہاں سے — کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو — تمہارے باوا کا گھر ہے کیا —؟ (مدن سے) اور یہ لو پچاس روپے تمہارے کرایہ میں سے بچے ہوئے۔

مدن: مگر میں نے تو پینسٹھ دیئے تھے۔

مسز تیواری: اور آج جو دن بھر کمرے میں سوئے —؟ تمہاری سسرال تو ہے نہیں کہ مفت میں آرام کرنے آگئے تھے۔

موہن: دیوی جی! دَیا کیجئے —— ہم دونوں کو رہنے دیجئے میں اس پر بھی راضی ہوں کہ رات کو یہ رہیں، دن کو میں! —

مدن: سوچیے تو دیوی جی ہم کہاں جائیں —؟

مسز تیواری: جہنم میں جاؤ ـــــ میں نے کیا ساری دنیا کے بھک منگوں کا ٹھیکہ لیا ہے ـــــ اٹھو نکلو یہاں سے ـــــ

(مدن اور دلہن ایک دوسرے کی طرف درد بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے کے گلے لگ کر دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دیتے ہیں۔)

(پردہ گرتا ہے)

بہو کی تلاش

کردار

اماں : عمر چالیس پینتالیس سال، بے حد باتونی، موقع شناس اور دنیادار چھ بچوں کی اماں ہیں اور اپنے ہر بچے کو ہیرا سمجھتی ہیں۔

ریحانہ }
رضوانہ } اماں کی بڑی بیٹیاں۔ کالج میں پڑھتی ہیں۔ سینما دیکھنے، جاسوسی ناول اور فلمی رسالے پڑھنے کی شوقین ۔

نمی : اماں کی چھوٹی بیٹی، عمر سات سال، سارے گھر کی لاڈلی۔ ڈانس کی شوقین۔

شوکت }
فرحت }
جودت } اماں کے بیٹے۔ شوکت سب سے بڑے ہیں اس لیے سارے گھر کے ہیرو ہیں۔ شاعری کا شوق ہے۔ خیالوں کی دنیا میں گم رہتے ہیں۔ نانی اماں، اماں اور بہنیں سب گویا انھیں پوجتی ہیں۔ صورت شکل اچھی خاصی ہے۔

فرحت: شوکت سے کم چہیتے اور کم رو۔ پھر بھی اماں کے لاڈ پیار کی وجہ سے احساسِ کمتری میں مبتلا نہیں ہیں۔

جودت : عمر بارہ سال۔ بے حد منھ پھٹ، زبان دراز۔ فلم ایکٹروں کے سے کپڑے پہنتے ہیں اور اسی اسٹائل میں ڈائیلاگ بولتے ہیں۔

حسینہ بی : ۵۰-۵۵ برس کی لڑکرانی جو پرانی ہونے کی وجہ سے گھر ہی کا فرد بن گئی ہے۔ بچوں کو مارنے اور اماں کو ڈانٹنے سے بھی نہیں چوکتی۔

پڑوسن : اماں کی ہم عمر اور ہم مذاق۔

[illegible] احسن کی بیوی : اماں کی ہم عمر، بہت نستعلیق لباس پہنے ہوئے۔

" " کی لڑکی : ریحانہ، رضوانہ کی ہم عمر، جدید ترین فیشن کا لباس پہنے ہوئے۔

(متوسط طبقہ کے بے حد پھوہڑ خاندان کے گھر کا ایک کمرہ۔ کمرے میں تخت بچھے ہیں۔ ان پر دری چادر وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ ایک طرف بہت بڑھیا قسم کی مسہری ہے۔ اس پر میلا سا بستر بچھا ہے۔ سرہانے چیکٹ تکیہ رکھا ہوا ہے۔ پچھلی دیوار میں دو کھڑکیاں ہیں۔ ایک میں پرانے رسالے، بچوں کے کھلونے۔ پالش کی ڈبیا گھڑی اور مختلف سامان رکھا ہے۔ دوسری کھڑکی میں ٹوٹا ہوا کنگھا، بغیر فریم کا آئینہ ٹالکم پوڈر کا ڈبہ اور بے قلعی کا کتھے چونے کے نشان پڑا پاندان رکھا ہے ـــــ اسی کھڑکی کے نیچے بڑا سا ٹین کا صندوق آدھا کھلا آدھا بند رکھا ہے۔ صندوق میں سے ریشمی سوتی ساڑیوں کے کنارے اور بلاؤز کی آستینیں باہر لٹک رہی ہیں۔

مرغیاں کمرے میں چہل قدمی کر رہی ہیں، پڑوسی کی بکری کھڑی

جگالی کر رہی ہے۔ سب گھر والے، نوکر، ایک پڑوسن اور محلے کے
دو چار بچے گھر میں جمع ہیں۔ شور و غل کے مارے کان پڑی آواز
سنائی نہیں دیتی۔ بازو والے کمرہ میں ریڈیو پوری آواز سے
کھلا ہوا ہے۔ نانی اماں تخت پر لیٹی ہیں۔ مسہری پر رضوانہ لیٹی
"جاسوسی دنیا" کا تازہ ترین شمارہ پڑھ رہی ہے۔ ریحانہ اس
کے پاس بیٹھی جلدی ختم کرنے کا تقاضا کر رہی ہے۔ وقت گزاری
کے لیے رسالہ "شمع" کے ورق الٹ کر ایکٹریسوں کی تصویروں
میں سے ان کے قمیص اور بلاؤز کے ڈیزائنوں پر تبصرہ کرتی جاتی ہے۔
تخت پر ایک طرف سلائی کی مشین لیے اماں بیٹھی ڈھیر سے کپڑے سی رہی ہیں۔ ایک پڑوسن
پاس بیٹھی محلے کی تازہ ترین خبریں سنا رہی ہیں۔ جب پردہ اٹھتا ہے تو بازو کے کمرے سے
آتی ہوئی دھما چوکڑی اور ریڈیو کی آواز اسٹیج پر باتیں کرنے
والوں کی آواز کو دبائے ہوئے ہے۔ تقریباً آدھے منٹ کے بعد
یہ آوازیں ہلکی ہوتی ہیں اور پھر بالکل کم ہو جاتی ہیں۔ اماں کی
آواز سنائی دیتی ہے)

اماں : (پڑوسن سے کوئی خبر سن کر) ہاں بہن خدا بچائے دنیا سے۔ لوگ ذرا نہیں
ڈرتے کہ ان کے سامنے بھی جوان لڑکیاں ہیں۔ یقین کرو بہن میں تو کسی
لڑکی کے بارے میں ایسی ویسی بات سنتی ہوں تو وہیں دبا دیتی ہوں (ریحانہ

رضوانہ کی طرف دیکھ کر) اب اسی دن مولوی صاحب کی لڑکی کے بارے میں مجھے سب سے پہلے معلوم ہوا۔ صبح ہی پتہ چل گیا تھا پر دیکھ لو، میں نے دوپہر تک تمہیں نہیں بتایا اور بتایا بھی اس وقت جب تم نے کسی سے نہ کہنے کی قسم کھالی تھی۔

پڑوسن: بہن آپ کی بات تو کسی میں نہیں آسکتی۔ ایسی نیک خاتون اس دنیا میں کوئی ہو تو لے۔

امّاں: (اپنی تعریف سے خوش ہو کر) اے بہن پان تو لو —— بھلا میں گنہگار کیا نیکی کر سکتی ہوں۔ ہاں جو کچھ .... (ریڈیو والے کمرے سے نمّی کے رونے کی آواز سن کر) اری ریحانہ! رضوانہ! کچھ ہوش بھی ہے تمہیں نمّی کہاں رو رہی ہے، ذرا دیکھو تو۔ (پسندیدہ موضوع کی طرف آتے ہوئے) ہاں تو بہن میں گناہگار (بھلا ریحانہ نمی کا ہاتھ پکڑے داخل ہوتی ہے موضوع پھر ادھورا رہ گیا) کیا ہوا میری شہزادی —— میری لاڈلی۔

نمّی: (روتے ہوئے) امّاں میں "اینا مینا ڈیکا" پر روک اینڈ رول کر رہی تھی تو جودت بھیّا نے وہ گانا بند کر دیا۔

امّاں: نہ رو میری بلبل! (پکار کر) کیوں رے کتّے جودت گانا کیوں بند کر دیا۔

جودت: (دروازے میں سے جھانک کر ہنستے ہوئے) اماں کیا آپ بھی نانی امّاں کی طرح حواس گم کر بیٹھیں۔ جب ریڈیو پر گانا ہی ختم ہو گیا تو میں دوسری بار کیسے بجاؤں۔

اماں : (پڑوسن کے سامنے بیٹے کی زبان درازی سے ناخوش ہوکر) کمینے۔ گانا ختم ہوگیا۔
لیکن بچی ڈانس کرنا چاہتی ہے تو تجھے اتنی توفیق نہ ہوئی کہ اٹھ کر گراموفون پر
ریکارڈ لگا دیتا۔

جودت : اجی ریکارڈ تو کل ہی کمّو کی بکری نے سینگ مار کر توڑ دیا تھا۔

نمّی : (پیر پٹخ کر) میں تو اسی پر ڈانس کروں گی۔

اماں : (کمر سے کنجی کا گچھا نکال کر) اری ریحانہ لے یہ کنجی۔ اندر کے صندوق میں سے
پیسے نکال دے۔ لا تو میرے لال جودت۔ ذرا دوڑ کر دوسرا ریکارڈ لا دے۔

جودت : (کمرے میں آجاتا ہے۔ بہت شوخ رنگ کی ٹی شرٹ اور سفید نیکر پہن
رکھا ہے) لائیے آپ بھی کیا یاد کریں گی ملا تھا ایک بیٹا کام کرنے والا۔

(اماں بیٹے کی ایکٹنگ اور ڈائیلاگ بولنے کے انداز سے خوش ہوکر داد طلب
نظروں سے پڑوسن کی طرف دیکھتی ہیں۔ مگر کور ذوق پڑوسن کھڑکی میں سے
پاندان اٹھا کر پان بنانے میں مصروف ہے۔ اماں پھر بچوں کی طرف متوجہ
ہو جاتی ہیں)

اماں : ریحانہ! لائی نہیں اب تک!

نمّی : (ٹھنک کر) اماں جودی بھیا تو بہت دیر میں ریکارڈ لائیں گے۔ اس وقت
تک میرا ڈانس کا موڈ بھی نہیں رہے گا۔

ریحانہ : (پیسے لے آتی ہے) لے رے جودی۔ دوڑ کر لائیو۔ (مسہری کی طرف

جاتی ہے) اٹھ رضوانہ۔ بڑی دیر سے پڑھ رہی ہے کسی طرح ختم ہی نہیں کرتی۔
چل اُٹھ کے یہ اپنا مینا ڈیکا ہو گا۔ نئی ڈانس کرے گی اس پر۔

رضوانہ: (کتاب سے نظر ہٹائے بغیر) چلو ہٹو بڑی آئیں کہیں سے۔ میں نہیں گاتی۔
خود گالو۔

ریحانہ: دیکھا اماں! کیسا صاف جواب دے رہی ہے۔ جاسوسی دنیا میں اس قدر
مگن ہے کہ چھوٹی بہن کے معصوم دل کا بھی خیال نہیں۔

رضوانہ: (تُرش رُخ کر) ایسی ہی بہن کی محبت ہے تو خود گادو۔

ریحانہ: ہاں ہاں ہم تو ضرور گا دیتے۔ تیری طرح پتھر دل کے نہیں ہیں مگر کیا کریں
ہمارا گلا خراب ہے کل سے۔

رضوانہ: اور کھاؤ بیر۔ اماں! کالج میں دن بھر بیر کھاتی ہیں اور پھر گھر آکر نخرے
کرتی ہیں کہ گلا خراب ہوگیا۔ یہ ہوگیا وہ ہوگیا۔

ریحانہ: (جاسوسی دنیا پر قبضہ اوّلین نہ کر سکنے کی وجہ سے رضوانہ سے جلی بیٹھی ہے)
دیکھا اماں کتنی بُری ہوگئی ہے۔ ہر ایک کے منھ لگتی ہے۔ چھوٹے بڑے کا بھی
خیال نہیں رکھتی۔

رضوانہ: بس تم چپ رہو۔ آگئیں نصیحت کرنے بڑی بن کر!

(اماں پڑوسن کے سامنے بچوں کا یہ رخ ظاہر ہوتا دیکھ کر پریشان سی ہیں۔
مگر اپنی بات ہمیشہ اوپر رکھنے کے فن میں طاق ہیں)

امّاں : اے تو کیا ہوا۔ بہنوں بہنوں میں لڑائی ہوا ہی کرتی ہے۔ بلکہ اماں تو
یہ کہہ رہی تھیں کہ جو بہن بھائی بچپن میں بہت لڑتے ہیں بڑے ہو کر ایک
دوسرے سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں۔ لے اٹھ جا رضوانہ۔ بیٹی میری گادے
ذرا سا نہیں تو نمّی کے ننھے سے دل کو صدمہ پہنچے گا۔

رضوانہ : اماں ریحانہ باجی سے کہیے نا۔ کوئی گلا وَلا خراب نہیں۔ یونہی نخرے
کر رہی ہیں۔

نمّی : (ٹھنک کر) نہیں میں تو رضوانہ باجی کے گانے پر ڈانس کروں گی۔

رضوانہ : (بیحد خوش ہو کر مگر بظاہر ناراضگی سے) شیطان کہیں کی۔ (کتاب
ہاتھ سے رکھ دیتی ہے) بھئی اماں مجھے تو اس وقت طرز بھی یاد نہیں آ رہی ہے۔

امّاں : (ریحانہ سے) اچھا طرز تو یاد دلا دے کم سے کم۔ (پڑوسن کی طرف اشارہ
کر کے) یہ تمہاری خالہ بھی کئی دن سے کہہ رہی ہیں کہ نمّی کا ڈانس نہیں دیکھا۔

ریحانہ : (تیوری پر بل ڈال کر) اُفوہ۔ بھئی اماں آپ سمجھتی کیوں نہیں۔ میرا گلا واقعی
دکھ رہا ہے۔

رضوانہ : پھر اترائیں !؟

ریحانہ : (اسے تھپّڑ مار کر) تو ہی اترایا کرتی ہے لوگوں کو دیکھ کر۔ اپنی طرح سب کو
سمجھ رکھا ہے کیا؟

رضوانہ : (جل کر مسہری سے اٹھ کھڑی ہوتی ہے) اب دیکھ رہی ہو اماں باجی

کو۔ پھر میں کچھ کہوں گی تو بڑی چھوٹی کا سوال ہوگا۔

اماں: (بے حد پریشان ہیں) اب لڑائی ختم کر کے گانا شروع کرتی ہو یا آؤں چپل لے کر؟

نمّی: (دونوں بڑی بہنوں کی لڑائی کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی ہے)

ارے جانے بھی دو اماں! کل ہی تو تمہاری چپل جودت بھیا چار آنے دے کر منگل چمار سے بنوا کر لائے تھے۔ ٹوٹ گئی تو پھر بنانی پڑے گی۔

(اماں جھینپ مٹانے کو زور کا قہقہہ لگاتی ہیں۔ نانی اماں کی آنکھ کھل جاتی ہے۔)

نانی اماں: کیا بری عادت ہے تمہاری۔ ذرا خیال نہیں کرتیں کہ کوئی سو رہا ہے بس ٹھی ٹھی ٹھی۔ قہقہہ لگانے سے کام ہے۔

اماں: ارے اماں! سنا بھی ہے۔ یہ نمّی کیا کہہ رہی ہے۔ (نمّی کی بلائیں لے کر) میں قربان جاؤں بالکل ڈیزی ایرانی کی طرح ڈائیلاگ بولتی ہے۔

(پورا قصہ نانی اماں کو سنانا شروع کرتی ہیں۔ نانی اماں کی پھر آنکھ لگ جاتی ہے اماں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ قصہ جاری ہے)

نمّی: (ٹھنک کر) اماں ہینہ ہینہ۔

ماں: (مجبوراً قصہ ادھورا چھوڑ دیتی ہیں) ہاں بیٹی! (رضوانہ سے) کوئی اور گانا گا دے۔

رضوانہ : (خود پڑوسن کو اپنے گانے کا کمال دکھانے کو بے تاب ہیں) ہاں کوئی دوسرا گائے دیتی ہوں۔ کیوں نمی؟ "ناچ رے میور جھنجھنا کے گھنگھرو" چلے گا؟

نمّی : (نیکی کے موڈ میں ہیں) اچھا یہی گا دو۔

(رضوانہ گانا شروع کرتی ہے۔ نمی ہاتھ پیر الٹے سیدھے ادھر اودھر پھینک کر ڈانس کر رہی ہے۔ اماں کی باچھیں کھلی جا رہی ہیں۔ ریحانہ منھ پھلائے بیٹھی ہے۔ نانی اماں بدستور سو رہی ہیں۔ پڑوسن دل چسپی ظاہر کرنے کو مجبوراً مسکرا رہی ہیں کہ شوکت داخل ہوتا ہے۔ نمی ڈانس چھوڑ کر بھائی سے لپٹ جاتی ہے۔ اب سنٹر آف اٹریکشن نمی کے بجائے شوکت بن جاتا ہے)

شوکت : (نمی کے بال چھو کر فخر سے) امّاں یہ تو بالکل ڈیزی ایرانی لگتی ہے۔

امّاں : (آنکھیں خوشی سے چمک رہی ہیں) اے واہ! میری بچی تو ڈیزی ایرانی سے لاکھ درجہ زیادہ خوب صورت ہے۔

شوکت : (پڑوسن پر اب نظر پڑی ہے) آداب عرض ہے خالہ۔ کب آئیں آپ! اسلم بھائی کہاں ہیں۔ آج کل نظر نہیں آتے۔

پڑوسن : جیتے رہو بیٹا۔ اسلم تو اپنی سسرال گئے ہیں۔ جب سے شادی ہوئی ہے، زیادہ تر وہیں رہتے ہیں۔ اماں بہنوں کو بھول گئے۔

امّاں : اے بہن! بہو بھی تو تمہاری چاند کا ٹکڑا ہے۔

پڑوسن : خاک پڑے ایسے چاند پر جو اپنوں سے چھڑا دے۔

امّاں : (ایک دم فکر مند ہو کر) ہاں بہن! یہ تو ہے۔ بہو چاہے جیسی ہو مگر سب سے ہل مل کے رہنے والی ہونی چاہیے۔

(شوکت جو ابھی تک کھڑا تھا مسہری پر نیم دراز ہو جاتا ہے۔ رضوانہ ایک طرف سرک کر اسے جگہ دیتی ہے)

پڑوسن : بہن بس اب تو تم شوکت میاں کی شادی کر ہی دو۔

امّاں : تم خالہ کیسے بنی ہو! تمہاری بھی تو ذمہ داری ہے نا۔ بتاؤ کوئی لڑکی۔

پڑوسن : لو بھلا شوکت کے لیے لڑکیوں کی کیا کمی۔ جس سے کہو گی ایک بار کہنے پر ہاں نہ کر دے تو میرا ذمہ — تمہارے محلے میں ہی یہ غفور صاحب کے ہاں۔

اماں : (بات کاٹ کر) اب اتنا بھی نہ گراؤ میرے بچے کو کہ اس کا پیام غفور صاحب کے ہاں جائے۔ لو بھلا کوئی بات بھی ہو۔ نہ پیٹ کو ٹکڑا نہ تن کو چیتھڑا۔ ان کی کوئی حیثیت بھی ہے۔ اور کچھ نہیں تو سمدھی ایسا تو ہو کہ جس کے دروازے پر بیٹے کی برات لے جاتے ہوئے ہمارے صاحب کو شرم نہ آئے!

پڑوسن : (برا مان کر) خدا کے غضب سے ڈرو بہن۔ آج بچارے غریب ہو گئے تو کیا ہوا۔ سارا شہر جانتا ہے کہ وہ کس کی اولاد ہیں۔ (ریحانہ رضوانہ، دونوں غفور صاحب کی لڑکیوں کے ذکر پر ہتک محسوس کر کے ناک بھوں چڑھا رہی ہیں)

ریحانہ : (بات کاٹ کر) نہیں خالہ یہ بات نہیں۔ اصل میں ان کی لڑکیاں

پڑھی لکھی بھی تو نہیں ہیں۔

رضوانہ: (خالہ کو بولنے کا موقع نہ دیتے ہوئے) اور شوکت بھائی جیسا عظیم شاعر!؟ ان کے لیے تو کسی بہت ہی خوبصورت ذہین سمجھدار اور پڑھی لکھی لڑکی کی ضرورت ہے۔ غفور صاحب کی لڑکیوں نے سوائے نماز کی کتاب کے اور کچھ پڑھا ہی نہیں آج تک۔ بھلا شوکت بھائی کے اشعار سمجھنے اور داد دینے کی صلاحیت ان میں کہاں سے آئے گی۔

پڑوسن: اے لو! تو میں نے کوئی پیغام دے تو نہیں دیا تم سب کی سب اتنی بپھر کیوں گئیں۔ وہ تو ایک بات منہ سے نکل گئی۔ اچھا بہن اب میں چلوں گی۔ (جانے کو اٹھتی ہیں۔ اماں ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیتی ہیں)

اماں: اے بہن بیٹھو بھی۔ چائے پی کر جانا۔ ریحانہ اٹھ تو۔ جلدی سے حسینہ بی سے کہہ کر خالہ کے لیے چائے بنوا کر لا۔ اور ذرا سے شکر پارے بھی لانا۔

پڑوسن (تکلفاً انکار کرتی ہیں) رہنے بھی دو کیا ضرورت ہے چائے کی۔

اماں: چار پانچ بج رہے ہیں۔ چائے کا وقت تو ہو ہی گیا۔

رضوانہ: (بھائی کی شادی کے ذکر کو جاری رکھنا چاہتی ہے) ہاں تو خالہ بتائیے نا کوئی لڑکی۔

پڑوسن: اے بی بی! تم بھی اسی شہر میں رہتی ہو اور میں بھی۔ اور پھر اللہ مارا آج کل کا زمانہ، گھروں گھر بیسیوں لڑکیاں بھری پڑی ہیں۔ اب اسی

دن بلّو کی شادی میں۔

رضوانہ : کون بلّو ؟ بلقیس باجی ۔ جو گرلس اسکول میں جغرافیہ کی ٹیچر ہیں وہی نا ۔ ؟

پڑوسن : ہاں ہاں !! وہی ! احسان علی کی لڑکی بلقیس ماسٹرنی ! ۔ تو بہن ! اُس کی شادی میں اسکول کی ساری لڑکیاں آ گئی تھیں ۔ خدا جھوٹ نہ بُلوائے کمبختیں ہزار پانچ سو سے کیا کم رہی ہوں گی ۔

امّاں : (ماں کی تڑپ سے) اے نا بہن ! تُو کو مت کسی کی اولاد کو ۔

پڑوسن : مگر بہن ! اُس دن سے میں تو اس فکر میں پڑ گئی ہوں کہ اتنی ساری اللہ ماریوں کو بَر کہاں سے جُڑے گا ۔

امّاں : (اپنی بیٹیوں کے خیال سے فکر مند ہو کر) ہاں بہن ۔ یہ تو دن رات کی فکر ہے ۔ اچھے لڑکے ملتے نہیں ۔ جو ملتے ہیں وہ موئے نکھٹو، کنگلے، فقیر، اب آخر بیٹیوں والے کیا کریں ۔

پڑوسن : (ہوشیاری سے بات کا رخ موڑتی ہیں) اور پھر مار یہ کہ اچھے لڑکے چاہتے ہیں کہ بیوی تعلیم یافتہ ہو ۔ خوب صورت ہو دولت مند ہو اور کچھ نہیں تو اتنا نقد لائے کہ میاں فوراً انگلینڈ یا امریکہ جا سکیں ۔

امّاں : ہاں یہی تو مشکل ہے ۔ سمجھ دار لڑکے ذرا کم ہی ملیں گے ۔

پڑوسن : (شوکت کی طرف دیکھتی ہیں جو گرد و پیش سے بے نیاز گویا خیالوں کی دنیا میں گم کچھ گنگنا رہے ہیں) تمہارا لڑکا کیا کہتا ہے ۔

اماں : ارے وہ کیا کہے گا۔ اسے تو شادی کی کوئی جلدی نہیں۔ یہ تو ہم سب
اپنے ارمان پورے کرنے کو جلدی کر رہے ہیں۔

پڑوسن : پھر بھی کچھ تو بتایا ہوگا کہ دلہن کیسی ہو۔

رضوانہ : ہمارے بھائی نے سب کچھ ہماری پسند پر چھوڑ دیا ہے۔

پڑوسن : تو بس پھر کر لو اپنی پسند کی۔

(ریحانہ چائے کی ٹرے لیے آتی ہے)

ریحانہ (پڑوسن کی بات سن کر) یہی تو مصیبت ہے خالہ کہ کوئی اچھی لڑکی
ہے ہی نہیں۔

پڑوسن : اے واہ! وہ تمہارے ...... (پھر غفور صاحب کی لڑکیوں کا
نام پیش کرنا چاہتی ہیں۔ مگر رک جاتی ہیں) کیوں وہ تمہاری بیسیوں
سہیلیاں جو ہیں۔

ریحانہ : اماں سے تو کتنی بار کہا نسرین اچھی ہے مگر ......

رضوانہ : نہیں، نہیں وہ چپٹی ہماری بھابی نہیں بن سکتی۔

ریحانہ : تو تیری موٹی ثریا بھی کسی حال میں ہماری بھابی نہ بن سکے گی۔

رضوانہ : (ہاتھ مٹکا کر، لڑنے کے انداز میں) میں کبھی تمہاری طرح اپنی
سہیلیوں کے نام پیش نہیں کرتی۔

ریحانہ : تو کرے گی کہاں سے۔ تیری کوئی سہیلی ہو بھی اس قابل۔ (اماں سے

مخاطب ہو کر) اماں بلقیس باجی کی چھوٹی بہن شہناز باجی کیسی رہیں گی؟ (شوکت سے) کیوں بھائی جان پسند ہیں آپ کو شہناز باجی؟

شوکت: (ادائے بے نیازی سے مسکرا کر) ہمیں کچھ خبر نہیں۔ جو تم چاہو کرو۔

اماں: (داد طلب نظروں سے پڑوسن کو دیکھتی ہیں) دیکھا بہن کتنا سیدھا ہے میرا بچہ۔ جب اس نے سب کچھ ہم پر چھوڑ دیا ہے تو میں کیسے نہ اس کے لیے بہتر سے بہتر دلہن ڈھونڈوں۔

(پڑوسن اس عرصہ میں چائے ناشتہ سے فارغ ہو چکی ہیں اس لیے مزید ٹھیرنا بیکار سمجھتی ہیں)

پڑوسن: بہن اب تو اجازت دو۔ بہت دیر ہو گئی۔

اماں: اچھا بہن۔ پھر آنا۔

(دروازہ تک ان کے ساتھ جاتی ہیں)

رضوانہ: (رسالہ شمع اٹھا کر شوکت کو دکھاتی ہے) اے شوکت بھائی، یہ کمبخت وحیدہ رحمان کتنی پیاری لگتی ہے۔ خصوصاً اس تصویر میں تو قیامت ہے قیامت۔

ریحانہ: ہاں ہاں شوکت بھائی کو بھی بس ایسی ہی دلہن ملنی چاہیے۔

اماں: (واپس آتے آتے بیٹیوں کی بات سن لی ہے) اے جھاڑو پھرے کیا میرے بچے کے لیے ایکٹریس ہی رہ گئی ہے۔

رضوانہ : اماں مگر دیکھیے تو کتنی خوبصورت ہے...........
اور کتنی مشہور ایکٹریس ۔

ریحانہ : اماں اسی سے کیوں نہ بھجوائیں شوکت بھائی کا رشتہ ۔

اماں : (سخت برا مان کر) سنا ہے وہ تو کالی ہے ۔

ریحانہ : (جو خود خاصی سانولی ہے جل جاتی ہے) اماں بس تم تو رنگ پر فدا ہو ۔ اس کا ناک نقشہ نہیں دیکھتیں ۔

(جودت بغیر ریکارڈ لیے داخل ہوتا ہے)

جودت : اماں انجینئر صاحب کی بیوی نے کہا ہے کہ وہ تھوڑی دیر بعد آرہی ہیں ۔ (سب ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتے ہیں ۔ اور پریشانی میں کسی کو خیال بھی نہیں رہتا کہ جودت سے ریکارڈ نہ لانے کی وجہ دریافت کر کے پیسوں کا حساب طلب کرے)

اماں : ارے اٹھو جلدی ۔ کمرہ ٹھیک کرو ۔ اماں کو اٹھاؤ تخت پر دری چاندنی بچھاؤ ۔ ریحانہ لے ۔ جلدی سے اس تکیہ کا غلاف بدل دے ۔ رضوانہ ایک دو کرسیاں لا کر رکھ دے ۔ حسینہ ۔ او حسینہ ۔ کہاں مر گئی کمبخت ، عاجز آ گئی میں تو اس سے ۔ نوکرانی ہے کہ مہارانی ۔ اری حسینہ جھاڑو لیکر آ جلدی سے ۔ انجینئر صاحب کی بیگم آرہی ہیں ۔

حسینہ : (جھاڑو لیے آتی ہے) اجی تو اتنا چلا کیوں رہی ہو ۔ ذرا دوپہر کو ٹپنے

کی فرصت بھی نہیں ملتی۔ صبح ہی کمرہ جھاڑا تھا۔ تم لوگوں کو تو سوائے کوڑا پھیلانے کے اور کچھ نہیں آتا۔

اماں: (چلا کر) اچھا اچھا۔ نصیحتوں کا دفتر بند کر اور جھاڑ دے۔ شوکت بیٹے (شوکت اسی ادائے بے نیازی سے چھت کو تک رہے ہیں) اٹھو میرے لال۔ ذرا جلدی سے کپڑے وپڑے بدل لو۔ انجینئر صاحب کی بیگم آ رہی ہیں۔

شوکت: تو مجھے کیا۔

اماں: (مسکرا کر) شاید ان کی لڑکی بھی ساتھ ہو۔ حمید صاحب کے ہاں میلاد میں دیکھا تھا۔ بڑی خوبصورت لڑکی ہے۔

رضوانہ: بالکل چاندی سا سفید رنگ ہے۔

ریحانہ: (رنگ کا ذکر سن کر پھر جل گئی ہے) بس رنگ پر مرے جاؤ تم سب یہ نہیں دیکھتے کہ ناک پر گاڑی کا پہیہ پھرا ہوا ہے۔

اماں: ہاں اور کمر بھی تو موٹی ہے۔

شوکت: بھئی یہ سب باتیں ہم نہیں جانتے۔ ہم نے تو ساری ذمہ داری تم سب لوگوں پر ڈال دی ہے۔ اب تم جانو تمہارا کام۔

(اٹھ کر چلا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ اماں اور نمی بھی چلی جاتی ہیں۔ ریحانہ، رضوانہ بڑی تندہی سے کمرہ صاف کرنے میں لگی ہوئی ہیں

نانی اماں بدستور سو رہی ہیں)

رضوانہ : اے نانی اماں اٹھو تو۔ مہمان آرہے ہیں۔ جا کر کپڑے تو بدل ڈالو۔

نانی اماں : (کچی نیند سے اٹھائے جانے پر ناراض ہوتی ہیں) خاک پڑے موئے مہمانوں پر۔ وقت دیکھیں نہ ناوقت۔ بس چلے آتے ہیں۔

رضوانہ : ہائے نانی اماں۔ ایسا نہ کہو۔ انجنیئر صاحب کی بیوی ہیں۔

نانی اماں : ارے تو ہمیں کیا۔ وہ کسی لاٹ صاحب کی بیوی ہوں۔

ریحانہ : اچھا خیر۔ اب تو آپ کی آنکھ کھل ہی گئی۔ ذرا اپنے کمرے میں چلی جایئے

(نانی اماں بڑبڑاتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ کمرے کی صورت ذرا غنیمت نکل آئی ہے نانی اماں کے اٹھنے کے بعد ریحانہ اور رضوانہ مل کر تخت پر دری اور چاندنی بچھاتی ہیں۔ رضوانہ اندر سے گاؤ تکیہ لاکر رکھتی ہے۔ اماں آتی ہیں۔ ساڑی بدل لی ہے۔ بلاؤز وہی ہے۔ بالوں پر اوپر سے کنگھا پھیر لیا ہے۔ پوڈر اتنا لگا رکھا ہے کہ دور سے نظر آرہا ہے۔)

اماں : اری کمبختو! جاؤ ذرا تم بھی تو منھ ہاتھ دھوکر آدمیوں کی شکل بنا لو۔

(ریحانہ رضوانہ جاتی ہیں۔ نانی اماں وہی میلے کپڑے پہنے، پن کٹی ہاتھ میں لیے آتی ہیں اور پاندان سے پان نکالتی ہیں)

اماں : ارے اماں کپڑے نہیں بدلے اب تک۔ خدا کے لیے ایسا اندھیر تو نہ کرو۔ انجنیئر صاحب کی بیوی کیا کہیں گی۔

نانی اماں : ہم کسی انجینئر ونجینئر کی بیوی سے نہیں ڈرتے ۔ غرض ہو آئیں ورنہ وہ اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر ۔ پھر ہم تو لڑکے والے ہیں ۔ تو بھلا اب ہم ان کی خاطر بغیر نہائے کپڑے کیسے بدل لیں اور اس وقت نہائیں گے تو ہمیں زکام ہو جائے گا ۔

اماں : اماں : مان بھی جاؤ ۔ (آواز دبا کر) وہ انجینئر صاحب ہیں نا ، ان کے دو لڑکے بھی ہیں ۔ بڑا ڈاکٹر ہے اور چھوٹا لاء کالج میں پڑھ رہا ہے ۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ یہاں سے اتنی مرعوب ہو کر جائیں کہ فوراً ریحانہ کے لیے رشتہ بھجوا دیں ۔

نانی اماں : ارے پہلے سے کیوں نہ کہا ۔ ہم ابھی کپڑے بدلے لیتے ہیں ۔ بلا سے ! کل نہالیں گے ۔ (نانی اماں چلی جاتی ہیں ۔ موٹر کا ہارن سنائی دیتا ہے ۔ اماں استقبال کو بڑھتی ہیں کہ نمی دوڑتی ہوئی آتی ہے ۔ نمی نے سلیکس پہن رکھے ہیں مگر جلدی میں پازیب جو ڈانس کے لیے پہنی تھی اتارنا بھول گئی ہے ۔ آ کر صوفے پر بیٹھ جاتی ہے ۔ انجینئر صاحب کی بیوی اور لڑکی اتر کر آتی ہیں ۔" آداب ۔ تسلیم ۔ تسلیم ۔ آیئے تشریف رکھیے ۔ یہاں بیٹھیے" کے درمیان سب بیٹھ جاتے ہیں)

انجینئر صاحب کی بیوی : بہت دن سے ارادہ کر رہی تھی آپ سے ملنے کا ۔ اللہ اللہ کر کے آج موقع ملا ہے ۔

اماں : جی ہاں ، بال بچوں والے کو گھر کے کام دھندے سے فرصت ہی نہیں ملتی ۔ میں نے جب سے آپ کے اس شہر میں آنے کی خبر سنی ہے آنے آنے کو کہہ رہی ہوں مگر موقع ہی نہیں ملتا ۔

انجنیئر صاحب کی بیوی : (چاروں طرف نظر ڈال کر) لڑکیاں کہاں ہیں ۔

اماں : پڑوس میں اپنی سہیلیوں کے گھر گئی ہیں ۔ جاؤ تو نمی بیٹی ۔ اپنی باجیوں کو بلا لاؤ ۔

(نمی صوفے سے اتر کر دوڑتی ہے تو پازیب کے گھنگھرو بج اٹھتے ہیں)

انجنیئر صاحب کی بیوی : اوہو ۔ انھیں پازیب پہننے کا بھی شوق ہے ۔ مگر بھئی پازیب اور سلیکس کا کیا جوڑ ۔

اماں : (صفائی پیش کرتی ہیں) سلیکس تو یوں ہی پہن لیے ۔ اصل میں وہ ابھی ڈانس کر رہی تھی کہ آپ کے آنے کی اطلاع ملی ۔

انجنیئر صاحب کی بیوی : اچھا تو یہ ڈانس بھی کرتی ہیں ۔

اماں : (بیٹی کے آرٹ کی نمائش کا موقع دیکھ کر) جی ہاں ۔ بیحد شوق ہے اسے ۔ ریحانہ اور رضوانہ گاتی ہیں اور یہ ڈانس کرتی ہیں ۔

انجنیئر صاحب کی بیوی : آپ کی لڑکیاں گانا بھی جانتی ہیں ؟ ۔ آج تو ہم ضرور سنیں گے ۔

اماں : (بے حد خوش ہو کر) ضرور سنیے ۔ آپ تو ان کی خالہ ہیں جیسا برا بھلا آتا

ہے سُنا دیں گی۔

(ریحانہ رضوانہ سنگھار کیے ریشمی کپڑے پہنے نمی کے ساتھ داخل ہوتی ہیں۔ "آداب عرض۔ جیتی رہو" کے درمیان انجنیئر صاحب کی بیوی دونوں کو بغور دیکھتی ہیں اور وہ دونوں انجنیئر صاحب کی بیوی اور لڑکی کو اوپر سے نیچے تک دیکھتی ہیں۔ دونوں اِدھر اُدھر بیٹھ جاتی ہیں)

انجنیئر صاحب کی بیوی: ان میں بڑی کون سی ہے۔

اماں: یہ ریحانہ ہیں بڑی۔ یہ رضوانہ ہیں منجھلی اور یہ نمی سب سے چھوٹی ہے تین لڑکے ہیں ماشاء اللہ۔

انجنیئر صاحب کی بیوی: آپ کے صاحبزادے شوکت میاں تو سنا ہے اچھے شاعر ہیں۔

اماں: (فخر سے) اے بہن۔ شاعر واعر کیا۔ سب آپ بزرگوں کی دعاؤں کا صدقہ ہے کہ جو کچھ لکھتا ہے لوگ اس قدر پسند کرتے ہیں۔

انجنیئر صاحب کی بیوی: بلوایئے نا۔ کچھ غزلیں سنیں ان سے۔

اماں: (بیٹے کی لاابالی طبیعت سے واقف ہیں اس لیے ذرا گھبرا جاتی ہیں) نہیں بہن، اس وقت بھلا انھیں گھر میں کون بیٹھنے دیتا ہے۔ سیکڑوں جگہ سے آدمی بلانے آجاتے ہیں۔ گئے ہوں گے اس وقت بھی کہیں۔

انجنیئر صاحب کی بیوی: خیر پھر کبھی سہی۔

اماں : نہیں غزلیں تو ابھی سنیے ۔ یہ ریحانہ سنا دیں گی ۔ جاؤ ریحانہ ! بھائی
کی نوٹ بک لے آؤ ۔

(ریحانہ گویا منتظر ہی تھی ۔ فوراً نوٹ بک لے آتی ہے ۔ ایسی غزل ڈھونڈھ
رہی ہے جسے اچھے ترنّم سے سنا سکے کہ یاد آتا ہے کہ آج تو گلا خراب ہے
دل بیٹھ جاتا ہے ۔)

ریحانہ : اماں میرا تو گلا خراب ہے آج ۔ رضوانہ سے سنوا دیجیے ۔

اماں : (فی الحال رضوانہ کو پس منظر ہی میں رکھنا چاہتی ہیں) نہیں نہیں تم ہی
سناؤ جیسا بھی گلا ہے ۔ اچھا ٹھیرو ۔ چائے بنواؤ ۔ چاء پی کر گلا ٹھیک
ہو جائے گا ۔ پھر سنانا ۔ جاؤ رضوانہ حسینہ سے کہہ کر چائے بنوا لاؤ ۔

(رضوانہ جاتی ہے)

ریحانہ : (انجینئر صاحب کی لڑکی سے) آپ کس کالج میں پڑھتی ہیں ؟

لڑکی : ابھی تک تو کسی کالج میں داخلہ نہیں لیا ۔ یہاں سنا ہے ہر کالج میں
ہندی میڈیم ہے اور میں انگلش میڈیم سے پڑھتی رہی ہوں ۔ مجھے اب
بڑی دقت پیش آ رہی ہے ۔

ریحانہ : کیا آپ کانوینٹ میں پڑھتی تھیں ۔

لڑکی : جی ہاں ۔

ریحانہ : آپ کے کیا کیا سبجکٹس ہیں ؟

لڑکی : انگلش لٹریچر۔ فلاسفی اور ہسٹری۔

ریحانہ : تو آپ نے اردو بالکل ہی نہیں پڑھی ؟

لڑکی : تھوڑی بہت پڑھ لیتی ہوں :

انجینئر صاحب کی بیوی : (فخر سے) ہماری لڑکی انگلش اتنی روانی سے بولتی ہے اور پھر ماشاء اللہ گوری بھی ہے اس لیے جب اسکرٹ پہن لیتی ہے تو سب لوگ اسے اینگلو انڈین سمجھتے ہیں۔

اماں : (بے دلی سے) ماشاء اللہ۔ چشم بد دور۔

انجینئر صاحب کی بیوی : گھوڑا سواری میں ماہر ہے۔ اور نشانہ تو اس قدر اچھا ہے کہ اس کے ڈیڈی بھی اتنا اچھا نشانہ نہیں لگا سکتے۔

ریحانہ : آپ این سی سی میں ہیں کیا ؟

لڑکی : جی ہاں ! لیکن گھوڑا سواری اور بندوق چلانا تو مجھے ڈیڈی نے سکھایا ہے۔

(رضوانہ چائے لے آتی ہے سب چائے پی رہے ہیں اور باتیں بھی ہوتی جا رہی ہیں۔ ریحانہ سب سے پہلے چائے ختم کر کے منتظر ہے کہ اب اس سے غزل سنانے کی فرمائش ہو مگر انجینئر صاحب کی بیوی اپنی لڑکی کی تعریفیں کرنے میں مصروف ہیں)

انجینئر صاحب کی بیوی : اور یہی نہیں بہن، سلائی بُنائی، کڑھائی میں یہ ماہر

کھانا پکانے میں یہ طاق - ان کے ڈیڈی نے خاص طور پر ماسٹر رکھ کر سب کام سکھائے ہیں۔

اماں : (ٹالتے ہوئے) جی ہاں یہ کام تو سب لڑکیوں کو آنے ہی چاہئیں۔ ہماری لڑکیاں بھی سب کام کر لیتی ہیں۔ یہ کشیدہ کاری کا مور ریحانہ نے بنایا ہے۔

(دیوار پر لگے ہوئے فریم کی طرف اشارہ کرتی ہیں)

انجینئر صاحب کی بیوی : (مجبوراً تعریف کرتی ہیں) بہت اچھا ہے۔ ہماری بے بی بھی کشیدہ کاری میں طاق ہے۔ اس کو تو کئی بار انعام بھی مل چکا ہے۔

اماں : اے ریحانہ پچھلی بار گرام سدھار سبھا کی طرف سے جو تمہیں کروشیا ورک پر انعام ملا تھا وہ لا کر خالہ کو دکھاؤ نا۔

انجینئر صاحب کی بیوی : وہ تو میں پھر کبھی دیکھ لوں گی۔ اب تو اجازت دیجئے۔ (کھڑی ہو جاتی ہیں)

اماں : (جو اُن سے مل کر ذرا بھی خوش نہ ہوئیں) بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر آتی رہا کیجئے کبھی کبھی۔ میں موٹر بھجوا دیا کروں گی۔

انجینئر صاحب کی بیوی : نہیں موٹر کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں خود دو دو موٹریں ہیں۔ ایک بے بی کی، ایک ان کے ڈیڈی کی۔

اماں : ہاں جی۔ کم سے کم دو تو ہونی ہی چاہئیں۔ اب ہم بھی سوچ رہے ہیں کہ دوسری موٹر ....

انجینئر صاحب کی بیوی : اچھا بہن آداب عرض ۔ (پوری بات سننے سے پہلے ہی ۔)

اماں : تسلیم ۔

(انجینئر صاحب کی بیوی کے ساتھ سب لوگ دروازہ تک جاتے ہیں۔ پھر اندر لوٹ کر اسی جگہ آتے ہیں ۔ ان کے ساتھ فرحت بھی ملگجے سے کپڑے پہنے داخل ہوتا ہے ۔ چپ چاپ سب کی باتیں سنتا ہے ۔)

ریحانہ : (غزل نہ سنا سکنے کی وجہ سے بے حد جلی بیٹھی ہیں) کیسی نک چڑھی ہیں یہ انجینئر صاحب کی بیوی۔

رضوانہ : اور لڑکی ۔ صورت نہ شکل بھاڑ میں سے نکل ۔ ذرا رنگ گورا ہو گیا تو نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے ۔

ریحانہ : اور کس قدر اترا اترا کر باتیں کر رہی تھی ۔ (نقل اتار کر) بندوق چلانا تو مجھے ڈیڈی نے سکھایا ہے ۔

نمی : (رونی آواز میں) اماں انھوں نے تو میرا ڈانس بھی نہیں دیکھا ۔

(نانی اماں صاف کپڑے پہنے داخل ہوتی ہیں ۔)

نانی اماں : ارے مہمان چلے بھی گئے ۔ اے بی ہمیں تو آنے دیا ہوتا ۔ اتنی دیر روک لیتیں ۔

اماں : اے وہ تو ہوا کے گھوڑے پر سوار تھیں ۔ بس کھڑی ہو گئیں ۔

نانی اماں : خیر یہ بتاؤ پسند آئی دلہن ۔

اماں : چولھے میں ڈالو اسے ۔ وہ کیوں ہوتی میرے بیٹے کی دلہن، بانس کا سا تو قد ہے ۔

رضوانہ : اور دہانہ کس قدر چوڑا ہے ۔ مسکراتے وقت کتنی بھدّی لگتی ہے ۔

ریحانہ : دھانہ ہی کیوں ۔ پورا چہرہ ہی چوڑا ہے ۔ طباق سا ۔ شوکت بھائی تو اپنے اشعار میں چاند سے چہروں کا ذکر کرتے ہیں ۔ بھلا انہیں یہ طباق کہاں پسند آئے گا ۔

رضوانہ : اور اردو تو اسے بالکل نہیں آتی ۔ بھلا وہ بھائی جان کے اشعار کیا سمجھے گی ۔

نانی اماں : ارے کوئی بھی پسند کر لو جلدی سے اور کر ڈالو ۔ بی بی زمانہ خراب ہے ۔ ماشاء اللہ جوان لڑکا ہے ۔ یہی دن تو ہیں ارمان کے ۔

ریحانہ : (چڑ کر) تو کیا کسی بھی بُھتنی چڑیل سے کر لیں ۔ کوئی ملے بھی تو ڈھنگ کی ۔

نانی اماں : اے مجید صاحب کی شمیم کیسی ہے ؟

اماں : کیا بات کرتی ہو اماں ۔ وہ موٹی کس قدر ہے ۔ بھلا میرا نازک مزاج بیٹا یہ بارِ گراں اٹھا سکے گا ۔

(حسینہ بی چائے کے برتن لے جانے آئی ہیں ۔ دلچسپی سے سب کی باتیں سن رہی ہیں ۔

نانی اماں : تو احمد وکیل کی لڑکی شیریں تو اچھی خاصی پڑھی لکھی ہے ۔ دبلی پتلی

بھی ہے اسی سے کرلو۔

امّاں : اس کا رنگ ذرا کالا ہے۔

نانی اماں : (ریحانہ کی طرف اشارہ کرکے) اور تمہاری لڑکی بھی تو کالی ہے۔
دیکھنے کوئی آئے گا تو کیا کہے گا۔

اماں : ہاں بھئی اس کا تو خیال رکھنا پڑے گا۔ خیر ریحانہ کا سا رنگ ہو تو کوئی
مضائقہ نہیں۔

رضوانہ : ہاں اماں وہ گاتی بھی اچھا ہے۔ بھائی جان کے اشعار ترنم سے
پڑھا کرے گی تو مزہ آجائے گا۔

نمّی : امّاں ایک دن اس نے میرا ڈانس دیکھ کر بہت تعریف کی تھی۔

حسینہ بی : نہیں بی بی۔ وہ لڑکی مجھے پسند نہیں ہے۔

امّاں : کیوں۔

حسینہ بی : وکیل صاحب کے ہاں جو کھانا پکانے والی ہے اس سے میری
جان پہچان ہے۔ وہ کہہ رہی تھی ان کی لڑکی کو کھانا پکانا بالکل نہیں آتا۔

نانی اماں : نہ آئے۔ تو کس دن کے لیے ہے۔ ہم بہو لا رہے ہیں باورچن نہیں۔
نوکر رکھ لیں گے۔

حسینہ بی : اجی بات تو سمجھا کرو۔ وہ لڑاکی بھی ہے اس کی ماں اور دادی
میں کبھی نہ بنی۔ یہاں آکر وہ تم سے بھی لڑا کرے گی۔ ہمارا کام تھا بتلا دینا۔

نہیں مانوگی تو آپ ہی سر پکڑ کر روؤگی۔

(بڑبڑاتے ہوئے برتن سمیٹ کر چلی جاتی ہے)

اماں : (بہت فکر مند ہو کر) یہ تو بہت ضروری بات ہے کہ بہو سب کے ساتھ ہل مل کر رہنے والی ہو۔ یہ نہیں کہ آتے ہی اٹھاؤ میرا مقنعہ میں گھر سنبھالوں اپنا۔

(فرحت بڑی دیر سے کاغذ پنسل لیے کچھ لکھ رہا تھا۔ اب اماں کی طرف بڑھاتے ہوئے۔)

فرحت : اماں یہ لیجیے، فارمولا۔

اماں : کیسا فارمولا۔

فرحت : ایک معیاری بہو کا۔ یا یوں کہیے کہ آپ کی بہو اور شوکت بھائی کی دلہن کو کیسا ہونا چاہیے اس کا فارمولا۔ دیکھیے میں سناتا ہوں:

(کاغذ پر سے پڑھ کر سناتا ہے)

قد : نوتن کا۔

آنکھیں : نرگس کی۔

دہانہ : وجنیتی مالا کا۔

مسکراہٹ : وحیدہ رحمان کی۔

کمر : ہیلن کی۔

آواز : لتا منگیشکر کی۔

تعلیم : ڈاکٹر اقبال کی۔

رہن سہن : راشدالخیری کے ناولوں کی ہیروئن کا۔

اس کے علاوہ : اماں کی ہر گپ پر آنکھ بند کر کے ایمان لا سکے۔ ریحانہ اور رضوانہ سے دن رات فلمی گانے سن سن کر چاہے مرنے کی حد تک بور ہو جائے مگر ان کی تعریف کرے۔ بنی کے ڈانس دیکھکر سر پھوڑ کے مرنے کی بجائے اس کو گود میں لیکر پیار کرے۔ جودت کو سامان لانے کے لیے پیسے دیکر بھول جائے پھر نہ سامان کے بارے میں پوچھے نہ پیسوں کے بارے میں۔ حسینہ بی کے ساتھ دن رات چوٹھے چکّی میں لگی رہے ساتھ ہی شوکت بھائی کی غزلیں ترنّم سے گاتی رہے۔

اماں : (بیٹے کی قابلیت پر بہت خوش ہوتی ہیں۔ مگر پھر سارے گھر کی حقیقت کا بیان سن کر ناراضگی کا اظہار ضروری سمجھتی ہیں) کمینے۔ ماروں گی چپّل اٹھا کر۔ میرا مذاق اڑاتا ہے۔

فرحت : ارے چھوڑو بھی اماں۔ شوکت بھائی کی شادی کی تو تم فکر کرو ہی مت۔

اماں : (جھنجھلا کر) اے واہ! کیوں نہ کروں۔ اس نے سب معاملہ مجھ پر چھوڑ دیا ہے۔

فرحت : اسی لیے تم دو سال سے دو ہزار کے قریب لڑکیوں کا انٹرویو لیتی پھر رہی ہو اور آج تک ان کی شادی کروا رہی ہو۔

اماں : (ماتھے پر ہاتھ مار کر) ارے میاں یہی تو مصیبت ہے کہ وہ زبان سے

کچھ نہیں کہتا اس لیے میں چاہتی ہوں کہ اس کے لیے ایسی دلہن لاؤں،
جس کا دُنیا میں جواب نہ ہو۔

فرحت: خیر آپ لاجواب دلہن کی تلاش جاری رکھیے۔ جن کو لانی تھی وہ لے
بھی آئے۔

اماں: (کچھ نہ سمجھتے ہوئے) کمینہ کہیں کا۔ شرم نہیں آتی۔ ماں بہن بھائیوں
کا کیسا مذاق اڑایا ہے۔

ریحانہ: اماں کچھ سنا بھی۔ یہ فرحت بھائی کیا کہہ رہے ہیں۔

اماں: کیا؟

ریحانہ: کہیے نا پھر سے فرحت بھائی۔

فرحت: کچھ نہیں بھئی میں کچھ نہیں کہتا۔

رضوانہ: ابھی تو کہا تھا جس کو لانی ہے وہ لے بھی آیا۔

فرحت: اور کیا۔ تم اسکیل اور ٹیپ لیکر ناک کی لمبائی اور کمر کی گولائی ناپتی
رہو ــــ اِدھر...... (رک جاتا ہے)

اماں: (خطرہ کا احساس ہوتا ہے) اِدھر کیا۔ کہہ جلدی۔ مجھے اختلاج ہونے لگا۔

نانی اماں: ہاں بی بی کل رات جانے کیا بجا تھا۔ میں تو جانوں دو بج رہے
ہوں گے، جب شوکت واپس آیا میں جاگ رہی تھی۔ بہت پوچھا ارے
کہاں تھا اب تک کچھ بولا ہی نہیں۔ وہیں سے آیا ہوگا۔

اماں : (بہت پریشان ہو کر فرحت کو جھنجھوڑ ڈالتی ہیں) اے پوری بات کیوں نہیں بتاتا۔ کچھ گڑبڑ تو نہیں۔

فرحت : گڑبڑ کیا ہوتی۔ شوکت بھائی نے شہناز سے شادی کرلی ہے۔

(اماں چیخ مار کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ پاندان نیچے گر پڑتا ہے۔)

(ریحانہ، رضوانہ۔ ہیں؟ کیسے؟۔ کب؟۔ ہمیں تو پتہ بھی نہیں۔! ہائے ہائے کرتی ہیں، نانی اماں سر پر دوہتھڑ مارتی ہیں تو بن کٹی کا دستہ ہاتھ سے چھوٹ کر نمی کے پیر پر گرتا ہے۔ وہ چیخ مار کر روتی ہے۔ پڑوسیوں کی مرغیاں ڈر کر بھاگ جاتی ہیں۔)

(پردہ گرتا ہے)

بھوک ہڑتال

کردار

نورجہاں :
خالدہ :
خدیجہ :
قمر :
یاسمین :
نشاط :
فیروزہ :

(ان سب کے لیے:) ہائی اسکول میں پڑھنے والی لڑکیاں سب کی عمریں تیرہ اور پندرہ کے درمیان ہیں۔

امّاں : نورجہاں کی امّاں۔

منّی : نورجہاں کی بہن۔ عمر گیارہ برس۔

وقت: صبح آٹھ بجے۔

(نور جہاں کا کمرہ۔ درمیان میں پلنگ بچھا ہوا ہے۔ سرہانہ داہنی طرف ہے۔ اُدھر ایک چھوٹی سی الماری رکھی ہے۔ اور پلنگ سے ملی ہوئی ایک کرسی ہے۔ جس پر کچھ کتابیں پانی کا گلاس۔ طشتری پیالی رکھی ہیں۔ متھّے پر دوپٹہ لٹک رہا ہے، بائیں طرف ایک میز ہے۔ اس پر بے ترتیبی سے کتابیں اور کاپیاں بکھری پڑی ہیں۔ میز سے ذرا ہٹ کر ایک نیچا سا اسٹول رکھا ہوا ہے —— نور جہاں پلنگ پر آلتی پالتی مارے بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی ہے —— کچھ دیر بعد اٹھ کر ٹہلنے لگتی ہے اور کتاب بند کر کے پڑھے ہوئے سبق کو زور زور سے دہراتی ہے، یاد نہیں آتا تو ایک بار کتاب کھول کر دیکھ لیتی ہے۔ پھر دہراتی ہے)

سر کھجاتی ہے۔ پھر یاد نہیں آتا ـــ آخر غصہ میں آ کر کتاب کو دروازہ
کی طرف پھینکتی ہے۔ کتاب خالدہ اور خدیجہ پر جا کر گرتی ہے۔
یہ دونوں اسی وقت دروازے تک پہنچتی ہیں)

خالدہ : "یا وحشت"! (کہہ کر کتاب اٹھاتی ہے)

خدیجہ : خدا خیر کرے۔ کیا رات کو کھرّے پلنگ پر سوئی تھیں؟۔

خالدہ : یا امتحان نے اتنا پاگل بنا دیا ہے کہ اکیلی بیٹھی بیٹھی اپنے آپ سے
لڑ رہی ہو۔

نورجہاں : (پیر پٹخ کر بڑے غصّے سے) امتحان ـــ امتحان ـــ امتحان۔ جسے
دیکھو امتحان کا وظیفہ پڑھ رہا ہے زندگی مصیبت ہو کر رہ گئی۔
(سر پکڑ کر پلنگ پر بیٹھ جاتی ہے)

خالدہ : آخر پتہ تو چلے کہ امتحان سے اتنی ناراض کیوں ہو۔

نورجہاں : اس کا جواب تو بعد میں دوں گی ـــ پہلے تم یہ بتاؤ کہ امتحان
سے خوش کون ہے!

خدیجہ : (ایک ساتھ) کوئی بھی نہیں۔

نورجہاں : ارے تم لوگ ابھی تک کھڑی ہو بیٹھو بھئی۔ (دونوں بیٹھ جاتی ہیں)
ہاں اب یہ بتاؤ کہ جب امتحان کو ہم سب مصیبت سمجھتے ہیں تو آخر کیا وجہ
ہے کہ ہم امتحان دینے پر مجبور کیے جاتے ہیں۔

خالدہ : ہاں دیکھو تو بھلا ۔۔ کیسا ظلم ہے ۔۔ ایک تو زبردستی ہمارا امتحان
لیں ۔۔ راتوں کو ہمیں جاگنا پڑے ۔ گھومنا ، پھرنا ، تفریح ، سینما سب بند
اور اس پر اگر خدانخواستہ فیل ہوگئے تو مصیبت ۔۔ !

خدیجہ : تم دونوں کا تو ہوگیا ہے دماغ خراب ۔ میں آئی تھی اس لیے کہ
ذرا سب مل کر پڑھیں گے ۔ یہاں تم دونوں فلسفہ چھانٹنے بیٹھ گئیں
بتاؤ پڑھنا ہے ، یا میں جاؤں ۔۔ ؟

خالدہ : بس خدیجہ تمہاری انہیں باتوں سے دل جلتا ہے ۔ یہاں تو ہماری زندگی
اور موت کا سوال ہے اور تمہیں پڑھنے کی پڑی ہے ۔

خدیجہ : اچھا تو تم زندگی اور موت کا سوال حل کرتی رہو ۔ میں تو چلی ۔
(میز پر سے کتابیں اٹھا کر جانے لگتی ہے ۔ نور جہاں بڑھ کر اس کا ہاتھ
پکڑ لیتی ہے)

نور جہاں : ارے بیٹھو بھی ۔۔ تم تو ہر وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتی ہو
(باہر سے تین چار لڑکیوں کے ہنسنے اور باتیں کرنے کی آواز آتی ہے)

نور جہاں : لو اب تم بھاگی جا رہی تھیں اور یہاں چنڈال چوکڑی جمع ہوگئی ۔
(قمر ، یاسمین ۔ نشاط اور فیروزہ اندر آتی ہیں)

نشاط : بھئی یہاں تو زور و شور سے پڑھائی ہو رہی ہے ۔۔ (میز پر سے
کتابیں اٹھا کر میز سے نیچے رکھ دیتی ہے اور خود میز پر بیٹھ جاتی ہے ۔

قمر اسٹول پر۔ یاسمین کرسی پر اور فیروزہ اسی کرسی کے ہتھے پر ٹک جاتی ہے)
مگر یہ تو بتاؤ کہ تم تینوں میں سے فرسٹ کون آنے والا ہے۔ تیاری تو
تینوں کی زوردار ہے۔

نور جہاں : بس رہنے دو ـــ جی جلانے کی باتیں نہ کرو۔ یہاں تو پاس ہونے
کے لالے پڑے ہیں اور آپ فرماتی ہیں کہ فرسٹ آنے کی تیاری ہے۔
(میز پر کتابوں اور کاپیوں کے ڈھیر میں سے ٹٹول کر ایک کاپی نکالتی
ہے۔ اسے کھول کر سب کو دکھاتی ہے پورا صفحہ سرخ روشنائی سے
کی ہوئی اصلاح کی وجہ سے لال ہو رہا ہے۔)
ایسے فرسٹ آتے ہیں؟ ـــ آج تک کسی کام پر کسی ٹیچر نے تعریف
نہیں کی۔ کاپی کے جس صفحہ کو دیکھو سرخ ہو رہا ہے ـــ جب بھی کلاس
میں جواب دیا فوراً ڈانٹ پڑی کہ غلط ہے ـــ ایسے ہی ہوتے ہیں
فرسٹ آنے والے۔ !؟ ـــ

خالدہ : ہاں بھئی نشاط یہ تو تمہاری زیادتی ہے۔ کلاس میں تعریف تمہاری ہو۔
کاپی تمہاری نمونہ کے طور پر سب لڑکیوں کو دکھلائی جائے اور تم
ہمیں پڑھائی کا طعنہ دو ـــ!

فیروزہ : تو آخر ہوا کیا بھئی! ـ جو پڑھے گا وہ پاس ہوگا اور فرسٹ آئے گا ـــ
چھوڑو یہ جھگڑا۔ آج اسکول چلنا ہے یا نہیں؟ ۸½ بج رہے ہیں۔

قمر: ہاں بھئی کل سے تو امتحان ہے۔ چلو شاید آج کوئی ٹیچر ترس کھا کر کچھ ہنٹ (HINT) دیدیں۔

نورجہاں: اسی امتحان کا رونا تو ہم رو رہے تھے۔ تم آئیں تو اسے بھول کر فرسٹ آنے کے جھگڑے میں پڑ گئے۔

یاسمین: کیسا رونا امتحان کا — ؟

خالدہ: بھئی بات یہ ہے کہ میرا اور نورجہاں کا خیال ہے کہ امتحان ہم پر ایک بہت بڑا ظلم ہے۔

قمر: اہاہا! کیا بات کہی ہے۔ قسم خدا کی۔ میرے منھ سے بات چھین لی. میں تو خود چلّا رہی ہوں کہ یہ کیا قیامت ہے۔ جب دیکھو امتحان۔ جب دیکھو امتحان — ابھی اللہ اللہ کرکے پچھلے مارچ میں سالانہ امتحان دے کر نویں کلاس میں آئے — ذرا اطمینان کا سانس بھی نہیں لیا کہ پھر امتحان — !

نورجہاں: تو ایسے ہی روتی چلّاتی رہوگی یا اس سے بچنے کی کوئی تدبیر بھی کروگی — ؟

خدیجہ: ترکیب تو بس ایک ہی ہے۔

سب: کیا — ؟ وہ کیا — ؟ بتاؤ بھی — ؟

خدیجہ: وہ ترکیب یہ ہے کہ سب خوب پڑھو اور اچھے نمبروں سے پاس

ہو جاؤ۔

نور جہاں: ہوں ـــ تم تو جب کہنا الٹی ہی کہنا۔ یہاں تو پڑھتے پڑھتے بھیجا پلپلا ہو گیا اور آپ فرماتی ہیں (منہ ٹیڑھا کر کے نقل اتارتی ہے) پڑھو اور اچھے نمبروں سے پاس ہو جاؤ۔

خالدہ: بخشو بی بلی چوہا لنڈورا ہی جیئے گا ـــ تمہاری ترکیب سے تو ہم بے ترکیب ہی بھلے۔

قمر: لیکن ہمیں کوئی نہ کوئی تدبیر تو کرنی ہی چاہیے۔ یہ ایک سال میں چار چار امتحان۔ پہلے سہ ماہی ـــ پھر ششماہی پھر ٹیسٹ اور پھر سالانہ بھلا کوئی حد بھی ہے۔

یاسمین: اور صرف امتحان ہی نہیں ـــ روز پڑھائی بھی کرو۔ ہوم ورک بھی کر کے لاؤ۔

خالدہ: اور کلاس میں ہاتھ بھی اٹھاؤ ـــ الٹے سیدھے سوالوں کے جواب بھی دو ـــ اور جو ذرا بھولے سے جواب غلط دے دیا تو بس آ گئی آفت ـــ کوئی ٹیچر کہیں گی اسکول میں تفریح کرنے آتی ہو؟

قمر: کوئی استانی صاحبہ فرمائیں گی ـــ اسکول میں پڑھنے تھوڑی آتی ہو۔ گھر میں اماں کام کرواتی ہوں گی تو اس سے جان بچا کر اسکول میں وقت گزارنے آتی ہو۔

یاسمین: اگر کبھی کتاب یا قلم اسکول لے جانا بھول گئے تو کہا جائے گا۔ کسی دن خود کو بھی نہ بھول جانا۔

نورجہاں: (بڑے غور سے ہر ایک کی بات سن رہی ہے) تو آخر اس کا کچھ علاج بھی سوچا ہے تم نے؟ کب تک ہم یہ ظلم سہیں۔ ؟ خیر کلاس کی ڈانٹ ڈپٹ کا تو ہم پر کچھ اثر ہونا نہیں۔ چکنے گھڑے ہیں، اس کان سنی اس کان اڑادی۔ مگر یہ امتحان! بس یہیں آکر گاڑی پھنس جاتی ہے۔

خالدہ: تو سوچو نا کوئی تدبیر۔ ایسے کاموں میں تمہارا دماغ خوب چلتا ہے

سب: (یک زبان ہو کر) ہاں بھئی تم ہی سوچو کوئی تدبیر۔

(نورجہاں تھوڑی دیر سوچتی ہے۔ اُٹھ کر ٹہلنے لگتی ہے۔ پھر بیٹھ جاتی ہے۔ سب منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہے ہیں۔ نورجہاں سوچتی ہوئی کھڑی ہو جاتی ہے پھر ایک دم خوشی سے چٹکی بجا کر کہتی ہے)

نورجہاں: وہ مارا!

سب: (بڑے اشتیاق سے) کیا۔ ؟ کیا۔ ؟

نورجہاں: ارے ایسا منتر سوچا ہے کہ الٹا پڑ ہی نہیں سکتا۔

خالدہ: آخر کچھ کہو تو!

نورجہاں: مہاتما گاندھی کو جانتی ہو نا۔ ؟

خالدہ: لو بھلا ان کو کون نہ جانے گا۔؟

نورجہاں: تو بھئی باپو جی نے دشمن کو پیار محبت سے مغلوب کرنے کا جو طریقہ سکھایا ہے یعنی ستیہ گرہ ــــ ہم بھی اس پر عمل کریں گے۔

یاسمین: کیسے بھئی۔؟ ذرا صاف صاف کہو۔

نورجہاں: ہاں، ہاں سب بتاتی ہوں ذرا سنتی جاؤ۔ ہندوستانیوں نے انگریزوں کو ہندوستان سے کیسے نکالا؟۔

یاسمین: ستیہ گرہ کے زور سے۔

نورجہاں: تو بس میں نے بھی طے کر لیا ہے کہ ستیہ گرہ کے زور سے اس امتحان کے ظلم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹا کر دم لوں گی۔ آج ہی ہیڈ مسٹریس کے نام ایک نوٹس بھجوا دو کہ اگر کل شروع ہونے والے امتحان کو انھوں نے کینسل نہ کیا تو نورجہاں غیر معین مدت تک کے لیے بھوک ہڑتال کر دے گی۔

یاسمین۔ فیروزہ۔ خالدہ: (آنکھیں پھاڑ کر سخت حیرت سے) کیا سچ مچ؟

نورجہاں: (فخریہ انداز میں) اور نہیں تو کیا تم نے مذاق سمجھ رکھا ہے۔ ارے ہم تو وہ ہیں کہ جس بات پر اڑ گئے اس کو کر کے چھوڑا۔ دیکھ لینا یا تو امتحان نہ ہوگا یا ہم نہ ہوں گے ــــ لو جی خالدہ!۔ کاغذ قلم لو اور لکھو۔ (میز پر سے ایک کاپی اٹھاتی ہے اس میں سے دو ورق پھاڑ کر اور

دراز میں سے قلم نکال کر خالدہ کو دیتی ہے۔) لکھو نمبر ایک ——
— "گرلس ملٹی پرپز ہائر سکنڈری اسکول کی لڑکیاں محترمہ ہیڈ مسٹریس
صاحبہ کی خدمت میں درخواست کرتی ہیں کہ کل سے جو امتحان شروع
ہونے والا ہے اسے فوراً کینسل کیا جائے۔
نمبر دو —" ذرا جلدی جلدی لکھو بھئی — ورنہ خیالات کا تسلسل قائم
نہیں رہے گا اس وقت بڑے زوروں کا انسپریشن ہو رہا ہے۔
(لیڈروں کے سے انداز میں بولنا شروع کرتی ہے گویا تقریر کر رہی ہو)
نمبر دو — آئندہ جب کبھی امتحان لینا ہو تو پہلے ہماری نمائندہ
لڑکی کو بلا کر اس کی رائے لی جائے۔ اور جو تاریخ وہ مقرر کرے اسی
تاریخ کو امتحان ہو۔ اگر وہ نہ چاہے تو امتحان نہ لیا جائے۔"

نسرین : (تالی بجا کر) واہ۔ واہ۔

نور جہاں : (اسے ڈانٹتی ہے) ڈسٹرب مت کرو جی —
ہاں تم لکھے جاؤ — لکھو نمبر تین —" پیپر نکال کر امتحان سے ایک
ہفتہ پہلے سب لڑکیوں کو دکھلا دیئے جائیں۔
نمبر چار : امتحان کے کمرہ میں ٹیکسٹ بک۔ ڈکشنری اور نوٹس وغیرہ
لے جانے کی اجازت دی جائے۔

(سب لڑکیاں غور سے سن رہی ہیں۔ سر ہلا ہلا کر ایک دوسری کو اشارے

کرتی جاتی ہیں — آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تعجب کا اظہار کر رہی ہیں۔)

نورجہاں: اس کا جواب مجھے رات کو آٹھ بجے تک مل جانا چاہیے۔ یہ بھی لکھ دو کہ میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گی جب تک ہماری سب مانگیں پوری نہ ہو جائیں۔

خدیجہ: مگر کہیں اس طرح بھی امتحان رکے ہیں — ؟ کیوں اپنا اور سب کا وقت ضایع کرتی ہو — لڑکیوں نے اچھی خاصی تیاری کر لی ہے۔ اب تم یہ نیا شوشہ چھوڑ رہی ہو۔

نورجہاں: دیکھو بہنو! — پھوٹ ڈالنے والے ایسے ہوتے ہیں۔ ہندوستان دو سو سال تک انگریزوں کا غلام کیوں بنا رہا — ؟ ——————

بتاؤ — ؟ جواب دو — ؟

(سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلاتی ہیں)

نورجہاں: ارے اس لیے کہ ہندوستانیوں میں آپس میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔ اگر سب ایک ہو کر انگریز کا مقابلہ کرتے تو کب کا اسے مار بھگایا ہوتا — انگریز کو تو چھوڑو آج بھی اگر ہمارے اسکول کی ساری لڑکیاں ایک ہو کر آواز لگائیں (ہوا میں مکا لہرا کر نعرہ لگاتی ہے) "ہم امتحان نہیں دیں گے" تو بھلا مجال ہے کسی کی کہ ہمیں مجبور کر سکے۔

خالدہ: ہاں بھئی یہ تو ٹھیک ہے! UNION IS STRENGTH

نور جہاں: تو بس اب تم جا کر یہ نوٹس ہیڈ مسٹریس صاحبہ کو دے دو اور دیکھو تم
تم اسکول کی ساری لڑکیوں کو امتحان کے خلاف بھڑکاؤ اور کل اسٹرائیک
کرنے پر تیار کرو۔

یاسمین: میرے بھائی جان اخبار میں کام کرتے ہیں میں اُن سے کہہ کر یہ خبر اخبار
میں چھپوا دیتی ہوں۔

نور جہاں: شاباش ایسے ہوتے ہیں کام کرنے والے۔ یہ خبر اخبار میں ضرور آنی
چاہیے۔ اس طرح باہر والوں کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہو جائیں گی۔ دوسرے
اسکولوں کے لڑکے اور لڑکیاں ہماری ہمدردی میں اسٹرائیک کریں گے
اور جلوس نکالیں گے۔

یاسمین اور فیروزہ: (تالی بجا کر) واہ وا۔ مزہ آجائے گا۔

خدیجہ: دیکھو مان جاؤ۔ تھوڑی دیر کے مزے کی خاطر کیوں سب کا نقصان کرواتی ہو۔

نور جہاں: (ڈانٹ کر) بس تم تو خاموش ہی رہو اور جا کر کتابوں سے سر مارو۔

(خدیجہ غصے میں پیر پٹختی چلی جاتی ہے)

فیروزہ: اب تو بھئی ہمیں بھی چلنا چاہیے۔ بہت دیر ہو گئی۔

نور جہاں: اچھا اچھا جاؤ ـــ اور دیکھو خالدہ جلدی سے آکر مجھے خبر دینا کہ ہمارا
ریزولیوشن منظور ہوا یا نہیں ـــ یاد رکھنا میں بھوکی بیٹھی انتظار کر رہی
ہوں۔

خالدہ : ہاں ہاں تم بے فکر رہو، میں ابھی آئی ــــ واقعی ترکیب تو تم نے خوب نکالی ہے ــ پڑھائی کی جھنجھٹ سے ہمیشہ کے لیے بچے اور اگر اس کے کلاز (CLAUSE) نمبر تین اور چار منظور ہو گئے تو پھر بس مزے سے ہر سال پاس ہوتے چلے جائیں گے ۔ اچھا دیکھو سچ مچ کھانا مت کھانا ۔ میں ابھی سارے شہر میں تمہاری بھوک ہڑتال کی خبر پھیلائے دیتی ہوں ۔

(سب لڑکیاں چلی جاتی ہیں ۔ نور جہاں انہیں رخصت کرنے دروازے تک جاتی ہے ۔ پھر لوٹ کر دیوار پر لگے ہوئے آئینے کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے ۔ فخر سے مسکرا مسکرا کر آئینہ میں خود کو دیکھتی ہے ۔ اتنے میں اس کی اماں آجاتی ہیں)

اماں : ارے نور جہاں ساڑھے دس بج رہے ہیں ۔ اسکول نہیں جاؤ گی کیا؟ چلو کھانا کھاؤ ۔ کپڑے بدلو ۔

نور جہاں : نہیں اماں میں آج کھانا نہیں کھاؤں گی ۔

اماں : کیوں خیر تو ہے ۔! طبیعت کیسی ہے ؟

(نور جہاں کے قریب جا کر اس کے ماتھے پہ ہاتھ رکھ کر دیکھتی ہیں)

نور جہاں : (اماں کا ہاتھ ہٹا کر) نہیں اماں طبیعت خراب نہیں بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے بھوک ہڑتال کی ہے ۔

اماں : بھوک ہڑتال ــــ ؟ یہ بھوک ہڑتال کیا بلا ہے ؟

نور جہاں: (ہنس کر) لو بھئی ۔۔ اماں اتنا بھی نہیں جانتیں ۔ ارے اماں جی یہ تو
وہ ہتھیار ہے جس سے ہم نے ہندوستان کو آزاد کرایا ۔

اماں: (حیران ہو کر) اچھا خیر! ہندوستان تو آزاد ہو گیا ۔ اب کونسی غلامی
باقی رہی جس سے تم آزادی حاصل کرنا چاہتی ہو؟

نور جہاں: صرف غلامی ہی نہیں ۔ ہر قسم کے ظلم سے لڑنے کا ہتھیار ہے یہ ۔!
اب دیکھیے روز جو یہ امتحان ہوئے چلے جاتے ہیں ہم لوگوں پر ظلم ہیں یا نہیں!
اس لیے ہم سب لڑکیوں نے مل کر طے کیا ہے کہ کل جو امتحان ہو رہا ہے
اس میں نہ بیٹھیں اور ہیڈ مسٹریس صاحبہ سے کہا ہے کہ امتحان فوراً
کینسل کریں ۔۔۔ اگر نہ کیا تو میں کھانا نہیں کھاؤں گی ۔

اماں: نہ کھاؤ ان کی بلا سے ۔۔!

نور جہاں: یہی تو آپ نہیں سمجھتیں ۔ جب میں کھانا نہیں کھاؤں گی تو ان کا
ضمیر انہیں ملامت کرے گا ۔ سارے اسکول کی لڑکیوں کو میرے ساتھ
ہمدردی ہو گی ۔ اخباروں میں آرٹیکل نکلیں گے ۔ سب سے پہلے صفحے پر میری
تصویر ہو گی اور اس کے نیچے موٹے حروف میں یہ خبر ہو گی "نور جہاں
نے بھوک ہڑتال کر دی!" اور آخر ہیڈ مسٹریس کو میری بات ماننی ہی پڑے گی ۔
تب میں بڑی شان سے ایک لیموں کا رس پی کر برت توڑ دوں گی ۔

اماں: دماغ خراب ہے تمہارا ۔۔! کوئی برت ورت نہیں اٹھو سیدھی طرح کھانا

کھالو ورنہ میں سب کھانا نوکرانی کو دیدوں گی اور تم کرتی رہنا شوق سے

بھوک ہڑتال۔

نور جہاں: دیدیجئے جس کو جی چاہے، مجھے تو کھانا ہے نہیں۔

(اماں چلی جاتی ہیں — نور جہاں ٹہلتی ہے۔ پھر ایک کتاب اٹھا کر پڑھنا شروع کرتی ہے — دل نہیں لگتا اسے رکھ دیتی ہے — نٹنگ باسکٹ میں سے اون اور سلائیاں نکال کر بنتی ہے۔ اسے بھی ایک طرف پھینک دیتی ہے۔ پھر اٹھ کر ٹہلتی ہے —)

نور جہاں: اُفوہ بھئی وقت کسی طرح کٹ ہی نہیں رہا ہے نہ جانے کیا بج گیا اب تو بھوک زوروں سے لگنے لگی۔ منی کے اسکول سے آنے کا وقت تو ہو گیا۔ اب وہ آکر کھانا کھائے گی۔ اگر میں اس کے ساتھ تھوڑا سا ناشتہ کر لوں تو کیا حرج ہے — ہاں اس کے بعد بھوک ہڑتال شروع کر دوں گی (منی کو پکارتی ہے) مُنّی — او مُنّی —

مُنّی: کیا ہے باجی — میں ابھی اسکول سے آئی تو اماں نے بتایا —

نور جہاں: (بات کاٹ کر) خیر اسے تو چھوڑ یہ بتا کہ کچن میں کچھ کھانے کو بھی ہے؟

منی: ارے کھانے کو —! تم نے تو بھوک ہڑتال کر رکھی ہے نا! ٹھیرو میں ابھی جا کر سب سے کہتی ہوں!!

نور جہاں: ماروں گی چڑیل — میں کھانا اپنے لیے تھوڑی مانگ رہی ہوں۔

وہ بے چارہ اکیلا فقیر ابھی آیا تھا ـــ اگر کچھ ہو تو لے آ ـ میں اُسے دیدوں گی۔

منّی : (جاتے ہوئے) آج بچارے فقیر کا خیال کیسے آ گیا ـــ میں خود اسے کھانا دے آتی ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔

(منی چلی جاتی ہے۔ نور جہاں تھوڑی دیر پریشان سی بیٹھی رہتی ہے پھر لیٹ جاتی ہے ـــ پھر سر سے پیر تک چادر اوڑھ لیتی ہے۔)

[اسٹیج پر روشنی کم دی جائے پھر ایک آدھ منٹ کے لیے صرف ایک مدھم بلب جلتا رہے ـــ پھر پوری روشنی کر دی جائے]

اماں : (اندر آ کر) نور جہاں اے نور جہاں اٹھو بھی چھ بج رہے ہیں بارہ بجے سے پڑی سو رہی ہو ـــ کوئی حد بھی ہے۔ ایسی بھوک ہڑتال تو ہم نے کہیں دیکھی نہ سنی۔

نور جہاں : (ہڑبڑا کر اٹھتی ہے آنکھیں ملتی ہے) ارے بالکل شام ہو گئی ـــ اماں میرے اسکول کی لڑکیاں نہیں آئیں ؟

اماں : کوئی آیا نہ گیا ـــ شام کی چائے پڑی پڑی پانی ہو گئی اور تم ہو کہ پڑی سو رہی ہو ـــ مہمان آ گئے تھے اس لیے مجھے بھی فرصت نہ ملی تمہارے پاس آنے کی۔

نور جہاں : چائے ـــ بھوک ہڑتال میں تو شاید چائے بھی نہیں پی سکتے۔ رہنے دیجیے اماں ـــ میں چائے بھی نہیں پیوں گی۔

اماں : (غصے سے) نہ پیو ہماری بلا سے ۔

نور جہاں : (جو اس امید میں تھی کہ اماں خوشامد کر کے اسے چار پلا دیں گی جل جاتی ہے اٹھ کر ٹہلنے لگتی ہے) غضب خدا کا چھ بج گئے ابھی تک ایک بھی لڑکی نہ آئی ـــ سب بے ایمان ہیں ـــ دغا باز ـــ میں فضول ان کے لیے بھوکی مر رہی ہوں ـــ اور یہ اماں ـــ! بس یونہیں ہیں۔ ماں کی محبت کے کتنے جھوٹے افسانے دنیا میں مشہور ہیں ۔ اگر میں نے کھانے سے انکار کر دیا تھا تو کیا ہوا ـــ انہیں چاہیے تھا کہ اصرار کر کے مجھے کھلاتیں ـــ خود مزے سے کھائے پیئے پھر رہی ہیں اور میں دن بھر کی بھوکی ـــ ارے مر گئی !! اب تو بھوک برداشت نہیں ہو رہی ہے وہ منی چڑیل اگر کھیلنے پڑوس کے گھر چلی گئی ہو تو اچھا ہے نعمت خانہ سے کچھ لایا جا سکتا ہے ـــ چلوں ذرا قسمت آزمائی کر لوں ۔ (اندر چلی جاتی ہے ۔ ذرا سی دیر بعد ہاتھ میں تین کیلے لیے آتی ہے اور خوش خوش ایک کیلا چھیلتی ہے ۔ باہر سے لڑکیوں کے ہنسنے اور بولنے کی آواز آتی ہے ۔ نور جہاں جلدی سے تینوں کیلے بستر کے نیچے چھپا دیتی ہے اور اس جگہ تکیہ رکھ دیتی ہے ۔ خالدہ، قمر، نشاط اور فیروزہ داخل ہوتی ہیں)

نور جہاں : (بڑے غصے میں ہے) آ گیا تمہیں میرا خیال ـــ ؟ بڑی خود غرض ہو تم لوگ ـــ میں تو یہاں تم لوگوں کے لیے بھوکی مر رہی ہوں اور تم سے

اتنا بھی نہ ہو سکا کہ کم سے کم آکر مجھے بتا ہی دیتیں کہ ہیڈ مسٹریس صاحبہ نے ہمارا ریزولیشن منظور کیا یا نہیں۔

خالدہ: بھئی اتنی ناراض کیوں ہوتی ہو — بات تو سنو پہلے۔ ہم تو چھٹی ہوتے ہی یہاں آتے مگر آج تھا انور کا برتھ ڈے اس نے دوپہر سے ہی کہہ رکھا تھا کہ اس کے گھر ضرور آئیں — نہ جاتے تو وہ خفا ہوتی۔

نورجہاں: کیا برتھ ڈے پارٹی تھی۔؟

فیروزہ: پارٹی کہاں — پورا کھانا ہی تھا۔ ہماری وجہ سے اتنی جلدی تیار کر دیا گیا۔

نورجہاں: (کھانے کا نام سن کر منہ میں پانی بھر آیا ہے) کھانا — کیا کیا کھایا تم لوگوں نے ؟

نشاط: بھئی وہی سب چیزیں جو ہر دعوت میں عموماً ہوا کرتی ہیں۔ قورمہ، نان، شامی کباب۔ بریانی، شاہی ٹکڑے۔

نورجہاں: (پھر کھانے کے نام پر بے چین ہو جاتی ہے) تو خوب مزے کیے تم نے — بریانی تو بہت مزے کی ہو گی۔

قمر: اور کیا — انور کی اماں کے ہاتھ کی بریانی تو مشہور ہے۔

نورجہاں: اور شامی کباب — اوہ — یہ کمبخت امتحان! اگر یہ مصیبت نہ ہوتی تو میں کیوں بھوک ہڑتال کرتی — خیر چھوڑو یہ بتاؤ کہ

ریزولیوشن کا کیا ہوا۔

خالدہ: ہوتا کیا ــــ نامنظور ــــ! بلکہ الٹی ڈانٹ پڑی ہیڈمسٹریس صاحبہ نے کہا کہ اگر تم نے زیادہ گڑبڑ کی اور لڑکیوں کو بھڑکایا تو تمہیں اسکول سے نکال دیں گے۔

نشاط: یہی نہیں ــــ لڑکیوں کو معلوم ہوا تو وہ کہنے لگیں کہ ہم نے تو تیاری کرلی ہے ہم تو امتحان میں بیٹھیں گے۔

نورجہاں: ہائے کیسے بے ایمان لوگ ہوتے ہیں۔ میں تو ان کے لیے بھوکی مررہی ہوں ان سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ ذرا سا اسٹرائیک ہی کردیں۔ جانے دو مجھے بھی کیا پڑی ہے جو بھوکی رہوں منی ــــ او منی ــــ کھانا لا۔ چولھے میں جائے امتحان اور لڑکیاں۔

خالدہ: ہیں۔ ہیں۔ کیا غضب کر رہی ہو۔ ہم نے تو سارے شہر میں مشہور کر دیا ہے کہ نورجہاں بھوک ہڑتال کر رہی ہے۔ سب لوگ تم سے ہمدردی کر رہے ہیں آج شام کے اخبار میں سب آجائے گا یہ دیکھو ڈرافٹ ــــ یاسمین اپنے بھائی جان کے اخبار میں دے کر آئی تھی۔

نورجہاں: شاباش! ــــ تو گویا اخبار میں میرا نام چھپ جائے گا۔ میں لیڈر بن جاؤں گی۔

خالدہ: اور کیا۔

نورجہاں: مگر یہ بھوک ــــ ہائے بڑے زور کی لگی ہے۔ اگر ہیڈ مسٹریس
نے بات نہ مانی تو آخر کب تک بھوکی رہوں گی میں ــــ ؟

فیروزہ: جب تک ہماری مانگیں پوری نہ ہو جائیں۔

نورجہاں: اور اگر جلدی پوری نہ ہوئیں ہماری مانگیں؟ ــــ فرض کرو
ہیڈ مسٹریس نے صاف انکار کر دیا ــــ تو ــــ تو ــــ کیا ہوگا ــــ ؟

فیروزہ: ہوگا کیا۔ اپنی بات پر اڑی رہنا۔

نورجہاں: (آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے) کیا مطلب ــــ یعنی کھانا نہ کھاؤں ــــ ؟
آخر کب تک ــــ؟ کتنے دن؟ ــــ

خالدہ: بھئی مہاتما گاندھی تو ایک ایک مہینہ کا برت کرتے تھے۔

نورجہاں: مگر وہ تو بہت بڑے لیڈر بن چکے تھے اس کے بعد انھوں نے
بھوک ہڑتال شروع کی تھی ــــ میں نے تو ابھی لیڈر بننا شروع کیا ہے،
شروع میں ہی ایک مہینہ کی بھوک ہڑتال ــــ! ہائے مر گئی۔ میں تو سمجھ
رہی تھی کہ شام تک کھانا کھا سکوں گی ــــ ارے میرا تو ابھی سے دم
نکل رہا ہے بھوک کے مارے ــــ!

خالدہ: پرواہ مت کرو ــــ اگر بھوک کی تاب نہ لا کر خدانخواستہ تم مر گئیں تو
تمہارا جنازہ اس دھوم سے نکالیں گے کہ سارے ہندوستان میں نام
ہو جائے گا۔

قمر : سارے صوبے کے اسکول بند ہو جائیں گے۔ ہر بڑے شہر سے طالب علم تمہارے جنازے میں شریک ہونے آئیں گے۔

خالدہ : بڑے بڑے منسٹر تمہارے لیے تعزیتی جلسے کریں گے اخبار اپنے "نورجہاں ایڈیشن" نکالیں گے۔ جن میں تمہاری پیدائش سے لے کر موت تک کے مفصل حالات درج ہوں گے۔ تمہاری وہ شہرت ہو گی کہ اگر تم زندہ رہیں تو کبھی نہیں ہو سکتی۔

قمر : اور اس شہر کے تو سب طالب علم تمہارے غم میں ایک سال تک اسکول جانا بند کر دیں گے۔ اسکول کے امتحان ہی نہیں بورڈ کے امتحان بھی تین سال کے لیے کینسل ہو جائیں گے۔

خالدہ : اور ہم سب مل کر تمہاری روح کے سکون کے لیے دعائیں مانگیں گے۔

نورجہاں : (مری ہوئی روتی آواز میں) تو کیا واقعی مرنا ہو گا — ؟

خالدہ : اور نہیں تو کیا یوں ہی لیڈر بن جاؤ گی —۔

(یاسمین اخبار لیے داخل ہوتی ہے)

یاسمین : ارے بھئی یہ اخبار دیکھا!! (سب بڑے اشتیاق سے اخبار جھپٹنے کو بڑھتی ہیں۔) ارے اخبار آ گیا — اس میں بھوک ہڑتال کی خبر آئی۔؟ ارے مجھے تو دکھاؤ —

نورجہاں : (سب کو ڈانٹتی ہے) چپ رہو جی — سیدھی بیٹھو — یہاں لاؤ

اخبار ـــ ہاں یاسمین، اب لو! تم پڑھ کر سب کو سناؤ۔

یاسمین : (پڑھتی ہے) "گرلس ملٹی پرپز ہائر سکنڈری اسکول میں ہڑتال ـــ ـــ سنا گیا ہے کہ کل سے شروع ہونے والے امتحان کو روکنے کے لیے اس اسکول کی ایک لڑکی انور جہاں نے ـــ

نورجہاں : (پورا نہیں سنتی) ہائیں کیا لکھا ہے ـــ انور جہاں نے ـــ پھر سے تو پڑھو۔

یاسمین : اس اسکول کی ایک لڑکی انور جہاں نے بھوک ہڑتال کر دی ہے۔

نورجہاں : (سر پیٹ کر) ارے غضب خدا کا ـــ صبح سے بھوکی میں رہوں اور نام انور جہاں کا ہو ـــ میں نے صبح سے کھانا نہیں کھایا۔ دعوت کی بریانی اور شامی کباب سے محروم میں رہی اور نام انور جہاں کا ہوا ـــ ـــ لعنت ہے ـــ

خالدہ : ہوش میں رہو نورجہاں ـــ غلطی سے نور کا انور چھپ گیا آخر اس میں اتنا بگڑتی کیوں ہو ـــ کل کے اخبار میں تصحیح کرا دیں گے۔ تم شوق سے بھوک ہڑتال کیے رہو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں کل ہم بھی امتحان دینے نہیں جائیں گے اور جا کر اسکول کے دروازے پر پکٹنگ کریں گے۔ کسی لڑکی کو اسکول میں نہ جانے دیں گے ـــ یاسمین تم دوڑ کر اخبار کے رپورٹروں اور پریس فوٹوگرافرس کو بلا لانا ـــ بس صاحب ہم

سب کی تصویریں اخبار میں آ جائے گی۔

نورجہاں: بس بس رہنے دو۔ ایسے ہی صبح تم نے بڑی بڑی باتیں کی تھیں۔ میں تمہاری باتوں میں آگئی اور فضول دن بھر بھوکی مرتی رہی۔ اگر اسکول کی سب لڑکیوں نے طے کر لیا ہے کہ امتحان دیں گی تو بھلا میرے اکیلی کے کرنے سے کیا ہوگا۔ میں کیوں اپنی جان کھپاؤں!

(تکیہ ہٹا کر بستر کے نیچے سے کیلے نکالتی ہے)

خالدہ: (جھپٹ کر کیلا اس کے ہاتھ سے چھیننا چاہتی ہے) ارے ارے ایسا غضب نہ کرو۔ کل صبح تک ٹھہر جاؤ۔

نورجہاں: اور تم کیوں نہ ٹھہر گئیں بریانی کھانے نہ جاتیں؟

(کیلا چھیل کر کھانا شروع کر دیتی ہے)

قمر: (سر پہ دو ہتھڑ مار کر) ہائے تو کل امتحان دینا ہی ہوگا۔

یاسمین: (اخبار پھاڑ کر پرزے پرزے کر دیتی ہے) ارے پہلے سے خبر ہوتی تو آج کا دن ضایع نہ کرتے۔

(سب لڑکیاں ہائے وائے کر رہی ہیں نورجہاں کرسی پر آلتی پالتی مارے بیٹھی مزے سے ایک کے بعد دوسرا کیلا کھا رہی ہے۔)

(پردہ گرتا ہے)

ہلدی گھاٹ کے بعد

کردار

مہارانا پرتاپ سنگھ :	میواڑ کا راجہ
مہارانی گن وتی :	پرتاپ سنگھ کی بیوی
راجکماری چمپاوتی :	پرتاب سنگھ کی لڑکی ۔ عمر سولہ سال
راجکمار سندر سنگھ :	پرتاپ سنگھ کا لڑکا ۔ عمر دس سال
راجہ مان سنگھ :	اکبر کی فوج کا سپہ سالار
کھڑک سنگھ :	رانا پرتاپ کی فوج کا سپہ سالار
برہمن :	پچاس برس کی عمر ۔ پُر رعب چہرہ

(رانا پرتاپ ہلدی گھاٹی کی جنگ میں شکست کھا کر پہاڑوں میں روپوش ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی۔ لڑکی۔ لڑکا اور کچھ وفادار سپاہی ہیں جنگل اور پہاڑوں کے بیچ میں بنی ہوئی ایک جھونپڑی دکھانے کے لیے اسٹیج کے پچھلے پردے پر جنگل کا منظر بنا ہوا ہے۔ اسٹیج پر دائیں طرف ایک بڑا سا پتھر رکھا ہے جو بیٹھنے کے لیے تخت کا کام دیتا ہے۔ بائیں طرف چٹائی بچھی ہے۔

مان سنگھ۔ کھڑک سنگھ۔ دوسرے سپاہی اور برہمن سب بائیں طرف سے اسٹیج پر آئیں گے اور ادھر ہی سے واپس جائیں گے۔ رانی۔ راجکماری اور راجکمار دائیں طرف سے داخل ہوں گے۔

جس وقت پردہ اٹھتا ہے اس وقت رانا بہت سخت فکرمند ٹہلتا ہوا نظر آتا ہے۔ چند لمحے بعد سر پکڑ کر پتھر پر بیٹھ جاتا ہے پھر اٹھ کر ٹہلنے لگتا ہے اتنے میں رانی داخل ہوتی ہے۔ کچھ لمحے اسے دیکھتی رہتی ہے۔ پھر مخاطب کرتی ہے)

رانی : کیا بات ہے مہاراج — ؟ آپ بہت سخت پریشان معلوم ہوتے ہیں؟

رانا : وہی بات رانی — جو رات میں نے تمہیں بتائی تھی۔

رانی : تو آخر آپ نے سوچا کیا ہے ؟

رانا : کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کبھی سوچتا ہوں، مان لوں۔ کبھی باپ دادا کی عزت اور راجپوتوں کی عظمت کا خیال آتا ہے تو سوچتا ہوں کہ اطاعت قبول کرنے سے بہتر فاقوں سے مرنا ہے۔

رانی : (ایک آہ بھر کر بیٹھ جاتی ہے) اب تو کھڑے رہنے کی طاقت بھی نہیں رہی پاؤں میں۔ مہاراج آخر کب تک اس طرح کام چلے گا۔ کب تک ہم بھوکے پیاسے ادھر ادھر مارے مارے پھریں گے ؟

رانا : ہاں مجھے خود اس کا خیال ہے۔

رانی : ہم نے آزادی کی خاطر دیس چھوڑا۔ محلوں کا آرام چھوڑا ہمارے بچے جو پھول سے بھی نازک ہیں۔ جن کے ننگے پیروں نے دھرتی کو نہ چھوا تھا آج پہاڑوں اور جنگلوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ تین تین دن گزر جاتے ہیں اور ایک کھیل اڑ کر منہ میں نہیں جاتی۔ مٹھی بھر وفادار سپاہی آخر کب تک بھوکے پیاسے ہمارا ساتھ دیں گے یا تو وہ اسی طرح بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے۔ یا ہمیں چھوڑ کے چلے جائیں گے۔

رانا : آخر تم چاہتی کیا ہو رانی ــ کیا کروں میں ؟

رانی : مہاراج یہ ٹھیک ہے کہ راجپوت کو اپنی آزادی اپنی جان سے کہیں زیادہ پیاری ہے لیکن یہ بھی تو دیکھیے کہ اس حال میں آخر کب تک ہم آزادی کی حفاظت کر سکیں گے ــ ایک نہ ایک دن اکبر کے سپاہی ہمیں گرفتار کر کے لے جائیں گے آپ کو اور ہم سب کو مار ڈالا جائے گا۔ اور ہمارے ونش کا نام و نشان بھی مٹ جائے گا۔

رانا : (غور سے سُن رہا ہے) ہوں ــ !

رانی : تو اس سے تو یہ بہتر ہے کہ اپنے نام اپنے ونش اور راجپوتوں کے خاندان کو بچانے کی خاطر ہم اکبر کو اپنا مہابلی شہنشاہ مان لیں۔

رانا : (بہت تیزی سے) رانی ! یہ الفاظ میں تمہارے منھ سے سن رہا ہوں ــ! مت بھولو کہ تم ایک راجپوتنی ہو۔

رانی : ہاں مہاراج میں راجپوتنی ہوں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ماں بھی ہوں مجھ سے اپنے بچوں کا بلکنا نہیں دیکھا جاتا (رونے لگتی ہے) میں سندر سنگھ کو روٹی کے ایک ٹکڑے کے لیے ایڑیاں رگڑتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی

رانا : (سر پکڑ کر بہت سخت درد کے ساتھ) چلی جاؤ رانی۔ یہاں سے چلی جاؤ کہیں تمہارے آنسو میرے پاؤں نہ ڈگمگا دیں۔

(رانی اٹھ کر چلی جاتی ہے۔ رانا اسی طرح پریشان ٹہلتا رہتا ہے

(پھر آسمان کی طرف منہ کرکے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہتا ہے)

رانا: ہے بھگوان مجھے ہمّت دے کہ میں راجپوتوں کی آن کی حفاظت کر سکوں۔

(ایک سپاہی آکر چپ چاپ ہاتھ باندھے کھڑا ہے)

رانا: کیا ہے ـــ؟

سپاہی: مہاراج! راجہ مان سنگھ آئے ہیں۔

رانا: راجہ مان سنگھ ـــ؟ اچھا آنے دو۔

(راجہ مان سنگھ بہت شاندار لباس پہنے، ہتھیار سجائے بڑی شان سے مسکراتا ہوا آتا ہے۔ اس کے ساتھ رانا کی فوج کے کچھ سپاہی اور سپہ سالار کھڑک سنگھ داخل ہوتے ہیں اور اسٹیج پر اس طرح کھڑے ہو جاتے ہیں کہ رانا اور مان سنگھ ان کے بیچ میں آجاتے ہیں)

رانا: آؤ مان سنگھ (چٹائی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے) بیٹھو۔ چتوڑ کے محلوں کا آرام تو دیکھا تھا اب پہاڑوں میں بنی ہوئی جھونپڑی کی شان بھی دیکھ لو۔

مان سنگھ: پرتاپ سنگھ! تکلفات کو رہنے دو۔ میں یہاں شان و شوکت دیکھنے یا اپنی خاطر تواضع کروانے نہیں آیا بلکہ اپنی بات کا جواب لینے آیا ہوں۔

رانا: تمہاری بات کا جواب پہلے ہی دیا جا چکا ہے۔ مان سنگھ!

مان سنگھ: میں نے سوچا تھا کہ ان دو دنوں میں تم نے اپنی رائے بدل دی ہوگی۔

رانا: راجپوت ایک بار قدم اٹھا کر پیچھے نہیں ہٹتے۔ کیا مغل نمک کے اثر سے

یہ بھی بھول گئے کہ تم بھی تو کبھی راجپوت تھا — !

مان سنگھ: (گرجدار آواز میں) تھا نہیں ہوں۔

رانا: (طنز سے) صرف نام کے راجپوت ہو — راجپوتی آن تم میں باقی نہیں رہی!

مان سنگھ: (تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر) اگر کوئی اور وقت ہوتا تو تمہاری اس بات کا جواب میری تلوار دیتی پرتاپ سنگھ۔ لیکن اس وقت تم خود مجبور ہو تمہارے مٹھی بھر سپاہی میرا کیا مقابلہ کریں گے اور گرے ہوئے دشمن پر ہاتھ اٹھانا میرا دھرم نہیں۔

رانا: (وہی طنزیہ انداز برقرار ہے) دھرم کی بات کیوں کرتے ہو! دھرم تو اسی دن تم سے رخصت ہوگیا تھا جس دن تمہاری گردن مغلوں کے سامنے جھکی تھی۔ جس دن تم نے اپنی بیٹیاں مغلوں کو دی تھیں اُس وقت دھرم کی بات کہاں چلی گئی تھی — ؟ پرتاپ سنگھ کو اتنا کمزور مت سمجھو۔ اس کے بھو کے بازوؤں میں اب بھی اتنا بل ہے کہ مرتے دم تک اپنی آزادی کی حفاظت کرسکے۔ یقین نہ آئے تو آزمالو۔

(کمر سے تلوار نکال کرتن کر کھڑا ہو جاتا ہے)

مان سنگھ: اتنا غصہ نہ کرو پرتاپ سنگھ۔ میں تم سے لڑنے نہیں آیا۔ مہابلی شہنشاہ جلال الدین اکبر کی طرف سے صلح، دوستی اور پیار کا پیغام لایا ہوں۔

رانا : اکبر سے ہماری صلح صرف ایک شرط پر ہو سکتی ہے۔

مان سنگھ : وہ کیا ___ ؟

رانا : وہ یہ کہ اکبر ہمارے معاملات میں دخل دینا چھوڑ دے۔ ہمیں اپنی اطاعت پر مجبور نہ کرے۔ پھر جس طرح دو برابر کے بادشاہ ایک دوسرے کے دوست ہو سکتے ہیں اسی طرح ہماری دوستی کا ہاتھ اکبر کی طرف بڑھے گا۔

مان سنگھ : نادانی کی باتیں نہ کرو۔ یہ ناممکن ہے۔ تم مہابلی اکبر کو نہیں جانتے وہ یہ شرط کبھی نہ مانیں گے۔

رانا : پھر ہم بھی کبھی نہ مانیں گے۔

مان سنگھ : اس طرح تم اپنا ہی نہیں سارے راجپوتانہ بلکہ سارے ہندوستان کا نقصان کرو گے۔ اکبر کی فوجیں راجپوتانہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گی۔

رانا : راجپوتانہ کیا ساری دنیا کی اینٹ سے اینٹ بج جائے پھر بھی میں اکبر کا غلامی پر تیار نہیں ہوں گا۔

مان سنگھ : لیکن تم سے غلام بننے کو کہتا کون ہے۔ کیا اکبر کو تم جانتے نہیں۔ اس نے آج تک کسی دشمن سے بھی برا سلوک نہیں کیا۔ کیا اکبر سے پہلے ہندوستان کی تاریخ میں کسی بادشاہ نے غیر ملک اور غیر مذہب والوں کو اس طرح اپنایا تھا جس طرح اکبر نے ہم ہندوؤں کو اپنایا ہے؟ یہی نہیں اس نے ہماری بیٹیاں اپنے محل میں داخل کی ہیں، ہمارے طور طریقے اختیار کیے۔

کیا اب بھی وہ ہمارا نہیں ہوا ؟

رانا: اگر اکبر نے راجپوتوں کی بیٹیوں کو اپنے محل میں داخل کر لیا ہے اور تمہیں اس پر فخر ہے تو تمہیں مبارک! (تلوار کو چھو کر) میری تلوار تو اس کے خون سے اپنی پیاس بجھانے کو نیام میں تڑپ رہی ہے

مان سنگھ: پرتاپ سنگھ! اکبر کی طرف سے جو تمہارے دل میں اتنی نفرت ہے تم صرف ایک بار اکبر کو اپنا شہنشاہ مان کر تو دیکھو۔ تمہاری عزت گھٹے گی نہیں بلکہ دگنی چوگنی ہو جائے گی۔ وہ تم کو اپنا غلام نہیں اپنے برابر کا۔ اپنا دوست سمجھے گا۔

رانا: یہ سب باتیں میں پہلے بھی سن چکا ہوں

مان سنگھ: پھر بھی اپنی بات پر اڑے رہے۔؟ بڑے ہٹ دھرم ہو۔! سوچو! کیا آج سے پہلے کبھی بھارت ورش کے اتنے بڑے حصہ پر بغیر ذات پات کا بھید بھاؤ کیے کسی راجہ نے اتنے انصاف۔ اتنی رحمدلی اور اتنی قابلیت سے حکومت کی ہے۔ آج جو امن وامان جو آسانیاں جو آسائش لوگوں کو ہے وہ اس سے پہلے کبھی کسی کو ملا ہے؟

رانا: (فخریہ لہجے میں) غلامی کے امن وامان، آسائشیں اور آسانیاں آزادی کی سخت اور پر تکلیف زندگی پر سے میں ہزار بار قربان کرتا ہوں۔

مان سنگھ: (جیسے طنزیہ گفتگو سنی ہی نہیں) پھر یہ بھی تو سوچو کہ مسلمانوں کے

فنون ہی نہیں...... ہمارے ہندوستانی فنون اور ادب کو جس شوق سے اکبر ترقی دے رہا ہے اس پر بھی کیا وہ بدیشی اور ملیچھ ہی کہلائے گا۔ اگر اب بھی تم نہیں مانتے تو تمہاری بد قسمتی ہے۔ ایسا موقع تمہیں پھر نہ ملے گا اکبر نے اپنی طرف سے بغیر خون بہلائے اس معاملہ کو طے کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اب اگر تم نہ مانے تو ہزاروں بے گناہوں کا جو خون بہے گا اس کا عذاب تمہاری گردن پر ہوگا۔

رانا : راجپوتوں کا خون ہوتا ہی اس لیے ہے کہ میدان جنگ میں بہا دیا جائے ہم اپنے خون کو اتنا قیمتی نہیں سمجھتے کہ اس کی خاطر آزادی کو بیچ ڈالیں۔

مان سنگھ : اچھا تو یہ آخری موقع تھا اب میں جا کر مہابلی کو اس کی اطلاع دیتا ہوں۔ نتائج کے ذمہ دار تم خود ہوگے (مان سنگھ چلا جاتا ہے)

رانا : (پاس کھڑے ہوئے سپاہی سے مخاطب ہو کر) تم سب نے مان سنگھ کی باتیں سنیں۔ کہو تمہاری کیا رائے ہے ؟

سپاہی : مہاراج ! ہم تو آپ کے فرماں بردار ہیں۔ آپ کہیں تو آپ پر سے اپنی جان قربان کر دیں۔ ہمارا کام تو آپ کا حکم ماننا ہے۔ ہماری کوئی رائے نہیں۔

کھڑک سنگھ : (تلوار نکال کر چومتا ہے اور بلند کر کے کہتا ہے) مہاراج ! راجپوت کا دھرم لڑائی میں مرنا اور مارنا ہے۔ ایسے چوہوں کی طرح بلوں میں چھپنے

پھرنا نہیں۔ میں تو اس زندگی سے تنگ آگیا ہوں۔ آج اس گھاٹی میں
چھپے۔ کل اُس پہاڑ کی کھوہ میں۔ آخر کب تک ـــ؟

رانا: بس اتنے ہی میں تھک گئے کھڑک سنگھ ـــ؟ مجھے تو تمہاری قوت اور
بہادری پر بڑا ناز تھا۔

کھڑک: آگیا دیجیے مہاراج! ہم سب مٹھی بھر وفادار ابھی مغلوں سے لڑ کر
آپ کے نمک کا حق ادا کر دیں۔ لیکن ایسے عورتوں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھکر
بیٹھنا تو ہم سے نہیں ہو سکتا۔

رانا: ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے کے سوا ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ نہ ہمارے پاس
فوج نہ ہتھیار۔ نہ گھوڑے۔ نہ کھانے پینے کا سامان۔ آخر مغلوں کی
ٹڈی دَل فوج کا مقابلہ ہو تو کیسے ـــ؟

کھڑک سنگھ: اس لیے میرا خیال ہے کہ مان سنگھ کی بات مان لی جائے۔

رانا: (کڑک کر) کھڑک سنگھ ـــ؟

کھڑک سنگھ: (سر جھکا کر اور تلوار نیچی کر کے) غلام کا سر حاضر ہے مہاراج۔ ابھی
کاٹ لیجیے۔ انکار نہ ہوگا۔ لیکن اس وقت بہتر یہی ہے کہ کچھ عرصے کے لیے
اکبر کی اطاعت قبول کر لی جائے۔

رانا: (گرج کر) خاموش کھڑگ سنگھ ـــ اس سے پہلے کہ تم اپنے آقا کو ـــ ایک ـــ
راجپوت کو غلامی قبول کرنے کا مشورہ دیتے تمہاری زبان کیوں نہ کٹ گئی۔

تم تو بڑے بہادر تھے۔ بڑے بڑے رن مارا کرتے تھے آج تمہیں کیا ہو گیا ہے کھڑک سنگھ جو ایسی باتیں کر رہے ہو۔؟

کھڑک سنگھ: (اسی طرح سر جھکائے ہوئے) مہاراج! راجکمار سندر سنگھ اور راجکماری چمپاوتی تین تین دن کچھ نہ کھائیں۔ یہ ہم سے نہیں دیکھا جاتا۔ —سوچیے مہاراج اگر ہم صرف کچھ دن کے لیے اکبر کی اطاعت قبول کر لیں۔ پھر چپکے چپکے فوج اور ہتھیار جمع کرتے رہیں اور موقع ملتے ہی اس سے اپنی ذلت کا بدلہ لیں یہ زیادہ اچھا ہوگا یا یہاں بلوں میں ڈرپوک چوہوں کی طرح مرنا۔؟

(سندر سنگھ آتا ہے)

سندر سنگھ: پتا جی!

رانا: آؤ سندر سنگھ — کہاں تھے اب تک۔ آؤ بیٹا میرے پاس آؤ۔

سندر سنگھ: پتا جی! باہر ایک برہمن کھڑا ہے۔ کہتا ہے کہ مجھے بھوک لگی ہے کچھ کھانے کو دو۔

رانا: (ہاتھ جوڑتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ کر) ہے بھگوان۔ اتنا سخت امتحان نہ لے! آج میواڑ کے راجہ پرتاپ سنگھ کے دروازے پر ایک بھوکا برہمن کھڑا ہے۔ اور اس کے پاس اسے دینے کو کچھ نہیں۔

کھڑک سنگھ: اسی لیے تو کہہ رہا ہوں مہاراج کہ اکبر کی بات —

رانا: (ڈانٹ کر) چلے جاؤ کھڑک سنگھ۔ جاؤ۔۔۔ رانی کو بھیج دو اور ان سے کہو کہ میواڑ کا راجہ آج ایک برہمن کی سیوا کرنے سے مجبور ہے۔ ان کے پاس کچھ ہو تو وہی لائیں۔

(کھڑک سنگھ چلا جاتا ہے۔ رانا پریشانی کے عالم میں ٹہل رہا ہے کہ رانی اور اس کے ساتھ راجکماری چمپاوتی آتی ہے۔ چمپاوتی کے ہاتھ میں دو سوکھی روٹیاں اور تھوڑی سی چٹنی رکھی ہوئی ہے راجہ انہیں آتا دیکھ کر ٹھٹک جاتا ہے پھر روٹی دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔)

رانا: اوہ بیٹی جیتی رہو۔ تم نے میری بڑی چنتا دور کر دی۔ ورنہ آج ایک برہمن میرے دروازے سے خالی ہاتھ جاتا اور جنما جنم کے لیے میرے ماتھے پر کلنک لگ جاتا۔ مگر یہ روٹیاں آئیں کہاں سے؟

چمپاوتی: پتاجی۔ پرسوں سب کو چار چار روٹیاں بٹی تھیں۔ میں نے اپنے حصے کی اٹھا کر رکھ لی تھیں۔ سندر سنگھ کو جب بھوک لگتی ہے تو اس کا بلکنا مجھ سے نہیں دیکھا جاتا اس کے لیے رکھ لی تھیں۔ ایک پرسوں کھلا دی تھی۔ ایک کل کھالی یہ دو بچی ہیں۔

رانی: (آنکھوں میں آنسو بھر کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے) بھگوان! میری بچی آج چار دن کے فاقے سے ہے!!

چمپاوتی: پتاجی! جا کر برہمن کو کھانا کھلا دیجئے۔

رانا : میں اسے یہیں بلائے لیتا ہوں بیٹی۔

(رانا باہر جاتا ہے اس عرصے میں رانی اپنے آنچل سے چٹائی صاف کرتی ہے۔ رانا برہمن کو لیے آتا ہے۔ برہمن نے فقیروں کا سا گیروا لباس پہن رکھا ہے۔ مگر چہرے مہرے سے کچھ اور ہی نظر آتا ہے۔ رانی چمپاوتی اور سندر سنگھ آگے بڑھ کر اس کے پاؤں چھوتے ہیں)

چمپاوتی : بیٹھیے مہاراج!

(برہمن چٹائی پر بیٹھ جاتا ہے۔ چمپا اس کے سامنے کیلے کا پتہ جس پر روٹی اور چٹنی ہے رکھ دیتی ہے اور سندر سنگھ پانی کا گلاس لاکر رکھتا ہے)

چمپاوتی : مہاراج! ہماری غریبی کی وجہ سے آپکو یہ کھانا کھانا پڑا۔ آپ سے یہ سب کہاں کھایا جائے گا۔

برہمن : نہیں نہیں بیٹی! یہ تو بہت مزیدار کھانا ہے۔ بہت اچھا ہے مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں تکلیف دی لیکن کیا کروں یہاں اور کوئی تھا ہی نہیں کس سے مانگتا۔

رانی : آپ کی سیوا تو ہمارا دھرم ہے مہاراج۔ اگر بھگوان نے کبھی ہمارے دن پھیرے تو میواڑ آیئے وہاں جی بھر کر آپ کی سیوا کریں گے۔

برہمن : ہاں بھگوان سب کے دن پھیرے۔

(چمپاوتی کو کھڑے کھڑے چکر آنے لگتے ہیں۔ رانی اسے سنبھالتی ہے اور

آہستہ سے چٹائی پر لٹا دیتی ہے)

برہمن: ارے کیا ہوا اسے ـــ پانی پلاؤ اسے۔

رانا: کچھ نہیں مہاراج ـــ آپ بھوجن کریجیے۔ یہ ٹھیک ہو جائے گی۔
اور اگر برہمن دیوتا کے قدموں میں پران نکل جائیں تو جیون سپھل ہو جائے گا۔
(رانا کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں انھیں چھپانے کو دوسری طرف
منھ پھیر لیتا ہے)

برہمن: (کھانے سے ہاتھ کھینچ کر) نہیں! جب تک تم مجھے اصل بات
نہیں بتاؤ گے۔ میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔

رانا: (ہچکچاتے ہوئے) مہاراج آپ جانتے ہوں گے میں آپ کا سیوک
پرتاپ سنگھ ہوں، ہلدی گھاٹ کی جنگ میں اکبر سے شکست کھا کر
مارا مارا پھر رہا ہوں۔ مٹھی بھر وفادار سپاہی ساتھ ہیں۔ باقی سب نے
ساتھ چھوڑ دیا۔ کئی کئی وقت کا فاقہ گزر جاتا ہے مگر میں نے طے کر لیا
تھا کہ چاہے جان چلی جائے اطاعت قبول نہیں کروں گا، لیکن اب
(آواز بھرّا جاتی ہے) اب میرے پاؤں بھی لڑکھڑا رہے ہیں ـــ
میدان جنگ میں کاٹنا اور کٹ مرنا آسان ہے مگر اپنی نظروں کے سامنے
اپنے بچوں کو بھوک سے سسک سسک کر دم توڑتے دیکھنا بہت مشکل
ہے ـــ بہت مشکل ہے مہاراج ـــ بہت مشکل (برہمن اپنی آنکھیں

نیچے کیے خاموش بیٹھا سن رہا ہے)

رانی: (روتے ہوئے چمپا کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر) مہاراج۔چمپا...!
(جملہ پورا نہیں کرتی زور سے رونے لگتی ہے)

رانا: (جھک کر چمپا کے سر پر ہاتھ رکھتا ہے اس کی نبض دیکھتا ہے پھر برہمن سے مخاطب ہو کر) مہاراج آپ ہی کچھ رائے دیجیے۔کہ ہم اکبر کو کیا جواب دیں اگر ہم اسے ہم اپنا شہنشاہ مان لیں تو وہ ہمیں ہر طرح سے آزاد چھوڑ دے گا۔ اسے خود ہماری حالت کا پتہ چل گیا ہے۔اسے ہماری مصیبت سن سن کر دکھ ہو رہا ہے۔وہ ہمارے بچوں کے خیال سے ہم سے صلح کرنے کو بیتاب ہے۔اگر ہم برائے نام بھی اسے شہنشاہ مان لیں تو وہ یہ وعدہ کرتا ہے کہ مجھے راجپوتانہ کا بادشاہ تسلیم کر لے گا۔مان سنگھ سچ کہتا تھا۔ واقعی اکبر بہت بڑا ہے بہت شریف ہے بہت رحم دل ہے۔
(چمپاوتی کو اس درمیان میں ہوش آگیا ہے اس نے رانا کے آخری جملے سن لیے ہیں وہ اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہتی ہے)

چمپاوتی: (نحیف آواز میں) پتاجی آج آپ اکبر کی بڑائی کو مان رہے ہیں۔کل آپ اس کی سلطنت میں کوئی بڑا عہدہ قبول کر لیں گے، پرسوں آپ اس کی غلامی پر ناز کریں گے۔لیکن یاد رکھیے کہ اس دن آپ راجپوتی آزادی کی جڑ کاٹ دیں گے۔

رانا: (دونوں ہاتھوں سے منھ چھپا کر) آہ! بیٹی! تم کیا جانو، ایک آزاد راجپوت بھی اپنے بچوں کی مصیبت نہیں دیکھ سکتا!

چمپاوتی: کیا اکبر یہ کہتا ہے کہ اسے آپ کے بچوں پر رحم آتا ہے —؟ اس سے کہہ دیجے کہ رانا پرتاپ سنگھ کے بچے ایسے نازک نہیں ہیں کیا اکبر ہلدی گھاٹی کی جنگ بھول گیا۔

(چمپاوتی یہ کہتے کہتے پھر نڈھال ہو جاتی ہے۔ رانی اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر آنچل سے اس کے ماتھے کا پسینہ پونچھتی ہے۔ رانا خاموش ہے۔ چمپاوتی پھر آنکھیں کھول دیتی ہے)

چمپاوتی: پتا جی آپ اکبر کی باتوں میں نہ آیئے۔ اس سے کہہ دیجیے کہ راجپوت کی گردن کٹنا جانتی ہے جھکنا نہیں۔

رانا: (جیسے نیند سے چونک گیا ہو۔ مٹھیاں بھینچ کر اور گمبھیر آواز میں) بیٹی! میں تمہیں وچن دیتا ہوں کہ جب تک میرے جسم میں جان ہے چتوڑ اور میواڑ کی آزادی کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دوں گا میرے بچوں کی محبت نے تھوڑی دیر کے لیے میرے فرض پر غلبہ پا لیا تھا لیکن جب تک تم جیسے ہمت بندھانے والے موجود ہیں میں اکبر کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالوں گا — میری بچی! مجھے تم پر فخر ہے!!

چمپاوتی: کیا ایسا ہی ہوگا۔

برہمن : (چمپا اور رانا کی باتوں کے دوران گلاس کے پانی سے
ہاتھ دھو کر انگوچھے سے ہاتھ پونچھ لیتا ہے اور اٹھکر کھڑا
ہو جاتا ہے)
ہاں بالکل ایسا ہی ہوگا!

(سب چونک کر برہمن کو دیکھنے لگتے ہیں)

برہمن : رانا! میں "اکبر ہوں"!! تمہاری شجاعت اور ہمت نے مجھے
حیرت میں ڈالدیا تم بہت خوش قسمت ہو۔ ہندوستان تم جیسے
بہادروں پر ناز کرے گا۔ اکبر خود بہادر ہے اور بہادروں کی قدر
کرنا جانتا ہے۔ لاؤ اپنا ہاتھ مجھے دو آج سے تمہاری آزادی کا محافظ
خود اکبر ہوگا!

(رانا حیرانی سے اپنا ہاتھ اکبر کی طرف بڑھاتا ہے اکبر اسے
کھینچ کر سینے سے لگا لیتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

چند قابلِ مطالعہ کتابیں

ادب، تنقید و تحقیق

تنقید اور احتسابی تنقید / ڈاکٹر وزیر آغا ۲۴/-
نشانِ منزل / پروفیسر جگن ناتھ آزاد ۴۰/-
طنز و مزاح کا تنقیدی جائزہ / خواجہ عبدالغفور ۴۰/-
اے پیارے لوگو / پروفیسر وارث علوی ۴۰/-
اردو شاعری میں اشاریت / ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید ۴۰/-
ادب کی پرکھ / ڈاکٹر ٹرزیش ۳۰/-
نکاتِ زبان دانی / ہمت رائے شرما ۴۰/-
میرے خیال میں / پروفیسر نظیر صدیقی ۳۸/-
تلاش و تعبیر / ڈاکٹر منظر اعظمی ۳۶/-
زندگی کی حقیقتیں / شمس الدین ۲۰/-
تنقیدِ جدید و قدیم / مخمور سعیدی ۱۸/-
راجستھانی زبان و ادب: ایک تعارف / فضل امام ۱۸/-
غالبیات چند عنوانات / کالیداس گپتا رضا ۵۰/-
چکبست اور باقیاتِ چکبست / کالیداس گپتا رضا ۴۰/-
مقالاتِ چکبست / مرتبہ: کالیداس گپتا رضا ۷۵/-
سہو و سراغ / مرتبہ: کالیداس گپتا رضا ۳۵/-
متعلقاتِ غالب / مرتبہ: کالیداس گپتا رضا ۲۰/-
فرہنگِ غالب / امتیاز علی خاں عرشی ۲۵/-
ہندوستانی مشرقی افریقہ میں / کالیداس گپتا رضا ۱۰/۵۰
محاورۂ غالب / پریم پال اشک ۲۰/-
نسوانی محاورے / وحیدہ نسیم ۱۸/-
افکارِ عبدالحق / آمنہ صدیقی ۲۵/-
مذہب اور سائنس / عبدالحق ۱۱/-
لاہور کا جو ذکر کیا / گوپال متل ۱۵/-
گلاگ مجمع الجزائر / الیگزینڈر سولژنتسین
تین جلدوں میں ۔ فی جلد ۲۰/-
مکاتیبِ احسن II / ڈاکٹر عنوان چشتی ۲۵/-

شخصیات

محمد اقبال: ایک ادبی سوانح حیات / جگن ناتھ آزاد ۲۵/-
حرفِ راز: اقبال کا مطالعہ / ڈاکٹر حامدی کاشمیری ۲۵/-
گوپال متل: شخصیت اور فن / کمار پاشی ۵۰/-

ن۔ م۔ راشد: شخصیت اور فن / مغنی تبسم، شہریار ۴۰/-
فراق: شخصیت اور فن / پریم گوپال متل ۴۰/-
میراجی: شخصیت اور فن / کمار پاشی ۴۰/-
شاعرِ آخر الزماں: جوش ملیح آبادی / فضل امام ۳۰/-
ساحر لدھیانوی: ایک مطالعہ / مخمور سعیدی ۳۰/-
ڈاکٹر فضل امام: ایک مطالعہ / خوشتر مکرانوی ۲۰/-
کالیداس گپتا رضا: شخصیت اور فن / ظفر ادیب ۳۰/-
آنکھیں ترستیاں ہیں / جگن ناتھ آزاد ۳۶/-
چند ادبی شخصیتیں / شاہد احمد دہلوی ۳۰/-
تیسرے راشٹرپتی: ڈاکٹر ذاکر حسین / عبداللطیف اعظمی ۸/-
بسمل سعیدی: شخص و شاعر / مخمور سعیدی، پریم گوپال ۱۸/-
گوپال متل: ایک مطالعہ / محمد عبدالحکیم ۱۵/-
فن اور شخصیت آپ بیتی نمبر / صابر دت ۵۰/-

شاعری

نوشتۂ دیوار / نور احمد شیخ ۳۰/-
برگِ آتش سوار / مصور سبزواری ۲۵/-
سحرِ حرف / ساحر ہوشیارپوری ۲۰/-
جستجو / جگن ناتھ آزاد ۴۰/-
تردید / محبوب راہی ۲۰/-
سات سمندر / بدیع الزماں خاور ۲۰/-
دینار / بدیع الزماں خاور ۱۰/-
ماضیانہ / بمل کرشن اشک ۱۵/-
نام، بدن اور میں / بمل کرشن اشک ۱۵/-
روشنی پھر روشنی ہے / بمل کرشن اشک ۱۰/-
صحرا میں اذان / گوپال متل ۱۵/-
ننھی کتاب (بچوں کی نظمیں) بدیع الزماں خاور ۶/-
تیسرا سفر / سلیمان خمار ۱۵/-
بادۂ صافی / صوفی بانکوٹی ۱۵/-
دائروں کا سفر / شباب للت ۱۵/-
شعاعِ جاوید / کالیداس گپتا رضا ۲۰/-
کلیاتِ چکبست / مرتبہ: کالیداس گپتا رضا ۶۰/-
کلیاتِ شاد عارفی / مرتبہ: ڈاکٹر مظفر حنفی ۳۰/-
اداسی کے پانچ روپ / کرشن موہن ۲۰/-

روبرو / کمار پاشی ۸/-
ولاس یاترا / کمار پاشی ۱۰/-
ایک آواز / خلش بڑودوی ۱۵/-

ناول

جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں / عزیز احمد ۱۲/-
گریز / عزیز احمد ۳۵/-
ترے کوچے سے ہم نکلے / عطیہ پروین ۲۵/-
دل کے دروازے / عطیہ پروین ۲۵/-
جاگتی ہوئی رت / کشمیری لال ذاکر ۲۵/-
کرماں والی / کشمیری لال ذاکر ۳۰/-
واپسی / آمنہ ابوالحسن ۱۸/-
عداوت / بالا دوبے ۲۵/-
نگارینہ / ثریا محمود نصرت ۲۵/-
ناظرہ / ہاجرہ نازلی ۲۵/-
سپنے کب اپنے / فرخندہ شمیم ۲۴/-
زرد چاندنی / عقیلہ ہما ۳۰/-
غم کے سائے / بیگم محمودہ بشیر ۳۵/-
سلمیٰ سے دل لگا کر / اختر شیرانی کی حیاتِ معاشقہ ۸/-
کینسر وارڈ / الیگزینڈر سولژنتسین ۱۸/-

افسانے

سو کینڈل پاور کا بلب / سعادت حسن منٹو ۱۸/-
ایک ٹانگ کی گڑیا / کنور سین ۲۰/-
برف پر مکالمہ / سریندر پرکاش ۱۸/-
انتظار حسین کے سترہ افسانے / انتظار حسین ۲۸/-
ہندو مسلمان / ہمت رائے شرما ۲۰/-
نیا اردو افسانہ: انتخاب، احتساب / کمار پاشی ۱۸/-
اداس شام کے آخری لمحے / کشمیری لال ذاکر ۱۲/-
بادل گرجیں جمنا پار / سدرشن شرما ۱۸/-
پھول کھلے ویرانے میں / حسن نجمی ۱۰/-
خالی خانے (ڈرامے) انیل ٹھکر ۱۸/-
چوری سے یاری تک (انشائیے) وزیر آغا ۱۸/-
تین جہت کا ایک سوال / کشمیری لال ذاکر ۴/-

موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۹ گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲